۵۱۱
دعوت حق
ابوالکلام صاحب آزاد

اللہ اکبر

سلسلۂ مضامین حضرت مولانا ابو الکلام صاحب آزاد

نمبر ۹

دعوتِ حق

اثر خامہ

امام الاحرار حضرت مولانا ابو الکلام صاحب آزاد مدظلہ العالی

تاریخ عہد عباسیہ کا ایک صفحہ

دربار مامون الرشید مناظرہ۔ اعلان اور دعوتِ حق کا نظارہ

جس کو

منشی مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ نے

ہندوستان پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

دوسری مرتبہ قیمت ۶ر

تاریخ خلافت

حضرت مولانا عبد الماجد صاحب قبلہ بدایونی کی جدید زبردست تالیف

دینیات کا صحیفہ

پہلا حصّہ۔ خلافت الٰہیہ۔ جس میں حضور خلیفۃ اللہ الاعظم۔ رسول اکرم صلعم کی تمام زندگی سیرت نگاری کے ساتھ درج ہے۔ بعثت۔ نبوت۔ عرب کی تمدّنی واخلاقی ومذہبی حالت کا تذکرہ۔ ضرورت خلافت۔ علم خلافت کی بلندی۔ نیابت ربانیہ کی دعوت کا غلغلہ۔ مکّی زندگی میں عدم تشدّد۔ ہندو مسلم کے اتفاق کا معاملہ۔ مسئلہ ہجرت کا فلسفہ۔ دفاع و استطاعت وعمل محاربہ کا بیان۔ واقعات ہجرت۔ مدنی زندگی کی ترقی۔ یہود سے معاہدہ۔ غیر مسلموں سے اشتراک عمل غزوات کا سلسلہ۔ ہر غزوہ کا اصلی سبب اور اُس کا ملکی وتمدّنی و اخلاقی و مذہبی فائدہ ونتیجہ۔ وفود خلافت۔ مکتوبات خلافت۔ سفرائے خلافت کا تذکرہ۔ شاہانِ عالم کو دعوت خلافت۔ حجۃ الوداع کا آخری خطبہ۔ وفات شریف کی وصیّتیں۔ خلیفۃ اللہ کے خاندان وخدام کا بیان۔ خلیفۃ اللہ کی ابدی تعلیمات مذہبی اخلاقی تمدّنی معاشرتی وسیاسی تعلیمیں۔ دوسو صفحات کا بمثل ہدیہ وتحفہ ہے ہر مسلمان مرد وعورت کو اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ۔ عام

دوسرا حصّہ وتیسرا حصّہ وچوتھا حصّہ جس میں موجودہ تحریک خلافت ہندوستان تک کا حال ہے زیر طبع ہیں۔ تفصیل مضامین علیحدہ

مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

الآمِرُونَ بِالمَعرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ المُنکَرِ

تاریخ عہد عباسیہ کا ایک صفحہ

مسئلہ خلق قرآن اور مناظرہ دربار مامون الرشید

علمائے سلف کی حریت حقہ اور دعوت الی الحق کا ایک نظارہ!

اسلام کے ابتدائی عہدوں میں جن مسائل نے سب سے پہلے اختلاف و تفریق کی بنیادیں رکھی ہیں، اور مسلمانوں کو کتاب و سُنّت کی صراط مستقیم اور صحابہ کرام کے اسوۂ حسنہ سے انحراف کی راہ دکھائی ہے، ان میں سے ایک معرکۃ الآرا اور شدید الاختلاف مسئلہ "خلق و قدم قرآن" کا بھی ہے

مسئلہ خلق قرآن

مسئلہ "خلق و قدم قرآن" مقصود یہ تھا کہ اللہ کا کلام جو ہمارے پاس ایک کتاب کی شکل میں موجود ہے، اُس میں الفاظ ہیں اور معانی ہیں، الفاظ کی آواز ہے جو مختلف حرکات زبان و اطراف زبان سے بنتی اور نکلتی ہے معانی کے حقائق متصورہ ہیں جن کا وجود معقولی بھی ہے اور وجود خارجی بھی۔ پس ان اعتبارات سے قرآن قدیم ہے یا حادث؟ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

اس مسئلہ کو فلسفہ اور فلسفہ داں اقوام کے اختلاط نے پیدا کیا تھا۔ اسلام کی

اصلی سرزمین ان لاحاصل اور قوائے عملیہ کو بیکار کرنے والی کاوشوں سے بالکل پاک تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اُن سوالات سے صحابہ کو روکا جو ان کی عملی زندگی اور ان کے نصب العین سے ان کو ہٹانے والے تھے۔ اسلام نے عمل و سعادت کی ایک ہی سیدھی راہ کھولدی تھی، اور وہ چاہتا تھا کہ مسلمان صرف اسی کی رہروی میں مشغول رہیں۔ آپ کے بعد تمام عہد صحابہ بھی اسی حال میں بسر ہوا۔ لیکن بنو اُمیہ کی حکومت نے نظام خلافت اسلامی میں ایک انقلاب عظیم کرکے اس کی اجتماعی قوت کی نشو و نما روک دی، اور نئے نئے فتنوں اور ہلاکتوں کا دروازہ کھولدیا۔ ایک بڑا فتنۂ علوم عقلیہ قدیمہ اور مذہب کا غیر صالح اختلاط تھا۔ ایک طرف نومسلم عجمی اقوام اپنی تمام پُرانی بحثوں اور کاوشوں کو اپنے ساتھ لائیں، دوسری طرف اہل کتاب اور مجوسی علما، حکومت اموی کی تمام شاخوں اور محکموں پر حاوی ہوگئے۔ ان لوگوں نے جہاں اپنی مذہبی روایتیں مسلمانوں میں پھیلائیں، وہاں فلسفیانہ مباحث قدیمہ کا وہ دفتر پارینہ بھی کھول دیا۔ جو اسکندریہ و سوریا کے کھنڈروں اور جندیساپور و مدائن کے اطلال و آثار کے اندر مدفون ہو چکے تھے۔

دراصل اس سوال کو پیدا کرنا ہی ایک سخت ضلالت اور مسلک شریعت سے انحراف تھا۔ قرآن اللہ کا کلام ہے جس کو خدا کے رسول نے ہم تک پہنچایا۔ ہماری معلومات اس کی نسبت صرف اسی قدر ہے۔ اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کیلئے اتنا علم کافی ہے۔ وہ مخلوق ہے یا قدیم؟ یہ سوال نہ تو خود قرآن نے ہمارے سامنے کیا، نہ اللہ کے رسول نے۔ نہ تربیت یافتگانِ عہد نبوت نے۔ پس جو کچھ ضروری تھا وہ وہی تھا جو بتلا دیا گیا، اور جو نہیں بتلایا گیا وہ ضروری ہی نہیں ہے اور اسکی فکر و کاوش میں ہمارے لئے کوئی سعادت نہیں۔

سلف صالح اور محدثین کرام کا یہی مسلک تھا، اور صرف اسی راہ میں امن تھا،

لیکن افسوس کہ مسلمان ان فتنوں سے نہ بچ سکے جو اِن سے پہلے کی قوموں میں موجب ضلالت ہو چکے تھے۔

پھر قدم و حدوث کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو مسئلہ بالکل واضح تھا، اور اس کی حقیقت ایک ہی تھی، اللہ اور اس کی تمام صفات کاملہ قدیم ہیں۔ اس کی ایک صفت کلام ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، پس حروف و اصوات و الفاظ کی جس مرتب و منظمہ شکل میں وہ موجود ہے اسکی حقیقت نظمی و ترتیبی کو بھی قدیم ہی ہونا چاہیئے۔

لیکن فلسفیانہ کاوشوں نے ایک صاف بات کو پیچیدہ بنا کر نظر و بحث کی اور راہیں بھی کھولدیں۔ فرقہ معتزلہ نے جو فلسفہ و معقولات یونانی سے متاثر ہو چکا تھا، اس مسئلہ کو بالکل دوسری نظر سے دیکھا۔ اُنھوں نے کہا کہ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اس سے پہلے نہ تھا۔ وہ ایک با معنی عبارت ہے عبارت جملوں سے مرکب ہے، جملے الفاظ سے، اور الفاظ حروف سے۔ یہ حروف اور یہ الفاظ جب ہماری زبان سے نکلتے ہیں۔ تو ہماری آواز ہوتے ہیں جو اس سے پہلے نہ تھی، اور جبکا حدوث ہمارے ہی حلق و زبان سے ہوا۔ پس ان اعتبارات سے قرآن مخلوق ہے قدیم نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں اللہ ہر شے کا خالق ہے قرآن بھی اشیاء میں داخل ہے۔ اسے بھی مخلوق ہونا چاہیئے۔

ان خیالات سے معتزلہ نے سخت ٹھوکر کھائی اُنھوں نے دعوے کر دیا کہ قرآن مخلوق ہے، اور اس طرح گمراہی و فساد کا ایک بڑا دروازہ اُمّت پر کھولدیا۔ انکی ہدایت فلسفیانہ کاوشوں کے اندر گم ہو گئی۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اصوات حروف کا مخلوق ہونا جو انسان کا فعل ہے دوسری چیز ہے اور قرآن کا مخلوق ہونا جو ایک حقیقت نظمی و ترتیبی کا نام ہے بالکل دوسری ہے۔ قرآن حکیم کو کسی اعتبار سے بھی مخلوق و حادث نہیں کہہ سکتے۔ وہ نہ تو حرفوں کا نام ہے اور نہ اُن آوازوں کا جو انساں کے حلق سے نکلتی ہیں" الحمد للہ رب العلمین"

کا ہر حرف، اور ہر لفظ اپنی انفرادی حالت میں جو آواز پیدا کرتا ہے، اور انکی حرکات صوتیہ سے جو تموّج ہوا کے ذرّات میں ہوتا ہے یقیناً حادث ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ قرآن بھی نہیں ہے۔ قرآن تو اُس حقیقت نظمی کا نام ہے جو ان حرفوں کی ایک خاص الٰہی ترتیت و تنظیم سے متشکل ہوئی، اور "الحمد للہ رب العٰلمین" بنکر لسان وحی پر جاری ہوئی۔ وہ قدیم ہے، اس لئے کہ خدا بھی قدیم ہے۔

گلستاں کا ہر حرف اور ہر لفظ سعدی کا کلام نہیں ہے، لیکن گلستاں سعدی کی ہے۔ اس لئے وہ حقیقت جو انفراد حروف واصولت کے علاوہ ہے، اسی کا نام گلستاں ہوگا اور وہی سعدی کی تصنیف ہے۔

پس "قرآن" جس کتاب کا نام ہے، وہ کبھی اعتبار سے بھی مخلوق نہیں ہوسکتی۔ معتزلہ نے اسے مخلوق قرار دیکر ایک طرف تو اُن بحثوں کا دروازہ کھولا جو اسلام کے لئے سب سے بڑا فتنہ تھا، دوسری طرف قرآن کی آلہی عظمت و قدوسیت کے اعتقادی آساس کو بھی سخت صدمہ پہنچنے کا امکان پیدا کر دیا۔ قرآن کی ربّانی و آلہی عظمت کا اعتقاد اسلام کی تمام کائنات زندگی کی اصلی روح تھی۔ پس اگر آغاز عہد ہی میں اس کی پوری حفاظت نہ کی جاتی تو بہت جلد وہ وقت آجاتا جب لوگ تورات اور انجیل کی طرح قرآن حکیم کی عزّت آلہی کو بھی غارت کر دیتے۔

اللہ تعالےٰ نے فرزندانِ اسلام کی سب سے بڑی مقدّس و حاملِ شریعہ جماعت یعنی محدثین کرام کو اس بدعت مضلہ کے انسداد کے لئے کھڑا کر دیا اور اُنھوں نے اپنا خون بہا کر اس مسئلہ کے دست برد سے قرآن حکیم کی حفاظت کی۔

مسئلہ کی اہمیت

آجکل کے بعض ارباب علم و نظر کا خیال ہے کہ اس قسم کی بحثیں جنکے لئے ہمارے

سلف صالح اور علماء حق نے ایک عظیم الشان داخلی جہاد کیا اور اکثر اوقات اپنی زندگیوں تک کی قربانی کر دی، محض ایک لفظی نزاع تھی، اور صرف سوءِ فہم و کج ذہنی نے اِن کو اہم دو قیع بنا دیا تھا۔

وہ ان لوگوں کی عقلوں پر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان سے زیادہ عقلمند ہیں۔ کیونکہ اِن بحثوں کی بے وقعتی و بے اثری کو خردمندانہ محسوس کر رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم ان سے متفق نہیں ہو سکتے۔ یہ مسائل جس عہد میں پیدا ہوئے وہ اسلام کی نشو و نمائے اجتماعی کا ابتدائی عہد تھا۔ اس کے سرچشمے پھوٹ کر بہہ رہے تھے، اور ایک تنکا بھی اُن کی راہ میں آجاتا تھا تو خوف ہوتا تھا کہ یہی تنکے جمع ہو کر ایک دن بڑی بڑی نہروں کے دہانوں کو بند کر دیں گے۔ محدثین کرام نے اس حقیقت کو سمجھا، اور اسلام کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہو گئے، ان کی مثال اس جانباز عاشق کی سی تھی، جو اپنے معشوق کے تلوؤں میں ایک کانٹے کی چبھن بھی دیکھتا ہے تو اس زور سے چیختا ہے، گویا اُس کے پہلو میں خنجر نے شگاف کر دیا۔ وہ اُس ایک ایک تنکے، ایک ایک کانٹے، اور مٹی کے ایک ایک ذرے کے لئے اپنی گردنوں کو ذبح کرا دینا چاہتے تھے۔ جو اسلام کی راہ میں آجائیں، اور اُس کی صراطِ مستقیم کو آلودہ کرنا چاہیں۔ اگر اِس وقت اللہ تعالےٰ فرزندانِ اسلام کی اس سب سے زیادہ برگزیدہ جماعت کے دلوں کو اپنے الہام سے معمور نہ کر دیتا، اور وہ ایک داخلی جہاد عظیم کر کے اِن تمام فتنوں کا سدباب نہ کرتے تو آج دنیا میں اسلام کی بھی وہی حالت ہوتی جو دنیا کے تمام محرف و مسخ مذاہب کی نظر آ رہی ہے، اور اس کی حقیقی تعلیم کو بھی طرح طرح کی بدعات و محدثات کا سیلاب بہا لیگیا ہوتا۔

آج تمہارا حال یہ ہے کہ اسلام کی گردن پر تلواریں چلتی ہیں، تو تمھیں اتنا بھی

صدمہ نہیں ہوتا جتنا کسی اُنگلی کے پوٹے میں سوئی کی خلش سے ہو سکتا ہے۔ تم ان پاک روحوں اور خدا کے کلمۂ حق کے جاں نثاروں کی حالت کا کیا اندازہ کر سکتے ہو جو اس کی راہ میں ایک تنکے کے آجانے سے بھی اس طرح بے چین ہو جاتے تھے، گویا ان کے بستر پر دہکتے ہوئے انگارے بچھا دیئے گئے!

قرآن حکیم کی جس حفاظت و عظمت پر تم آج ناز کرتے ہو یہ دراصل انہی محدثین کرام کی حق پرستیوں کا نتیجہ ہے جنھوں نے اس کو بھی گوارا نہ کیا کہ کوئی نئی آواز قرآن کے لئے اُٹھائی جائے اور کوئی بات اس کی نسبت کہی جائے جو اس کی غیر انسانی عظمت کی تنزیہ و تقدیس کو شبہ لگائے۔

پھر اس سے بھی قطع نظر کرو۔ یہ مسئلہ محض ایک لفظی نزاع ہی کب تھا؟ معتزلہ کہتے تھے کہ قرآن مخلوق و حادث ہے۔ ہر مسلمان کو اس کا اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ اور اس طرح قرآن کے لئے ایک ایسی بات کہتے تھے اور ایک ایسی بات کا اقرار کرانا چاہتے تھے جس کا اقرار نہ تو خود قرآن نے کرایا اور نہ رسول نے کچھ کہا، پھر کیا یہ ایک سخت فتنہ نہ تھا جو نئی نئی اعتقادی بدعتوں کا ابلیسی دروازہ کھولتا تھا؟ اور کیا یہ شریعت پر حملہ کرنا اور اسلامی اعتقاد کی ترمیم نہ تھی؟

محدثین کرام نے جن مقاصد کی بنا پر اس طرح کے تمام فتنوں کی مخالفت کی اور کسی شکل میں بھی ان کو گوارا نہ کیا، واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ یکسر صحیح و واقعی تھے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ انہی مسائل نے بالآخر اسلام کی حقیقی تعلیم کو طرح طرح کی خارجی ضلالتوں سے آلودہ کیا، اور ان کوششوں کے بعد بھی اسلامی عقائد غیر دینی اثرات و اختلاط سے محفوظ نہ رہ سکے۔ صرف محدثین کرام ہی کا ایک گروہ ایسا نظر آتا ہے جن کے دلوں کو اللہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ نہ تو انقلابات علمی کے مؤثرات ان کی استقامت حق پر غالب آسکے۔ اور نہ انسانی افکار و اوہام کی

دلکشیاں ان کے دلوں کو جمال قرآن و سنت کے عشق سے پھیر سکیں۔ فی الحقیقت یہی وہ پاک جماعت تھی جس کے لئے زبانِ نبوت نے اوّل روز ہی حکم سُنا دیا تھا۔ لا یزال طائفۃ من اُمّتی قائمین علی الحق، حتیٰ یاتی امر اللہ وھم غالبون۔

بہرحال علماء حق اور محدثین کرام نے اس بدعت شدیدہ اور فتنۂ عظیمہ کا اس قوت و سرفروشی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ تمام دنیا کی حق پرستی و امر بالمعروف کی تاریخ میں اس کے واقعات کی یادگار رہیں گے۔

اگر یہ مسئلہ صرف عامۂ معتزلہ تک محدود رہتا تو پیروان اسلام کے سواد اعظم کے لئے (جو اس کا مخالف تھا) کوئی مصیبت نہ تھی، یہ صرف بحث و دلائل کا میدان ہوتا اور زبان و قلم کا جہاد اس کے لئے کافی تھا، لیکن مصیبت یہ تھی کہ حکومت وقت نے اس مذہب کا ساتھ دیا، اور بعض خلفائے عباسیہ نے معتزلہ کے ساتھ ہوکر خلق قرآن کے مسئلہ کو بجبر پھیلانا چاہا، اُنھوں نے حکومت کے زور، سزاؤں کے اعلان، قید خانوں کی زنجیروں، اور جلادوں کی تلواروں کو حرکت دی، اس لئے یہ علمی مسئلہ علمی نہ رہا بلکہ ارباب حق کے ابتلاء و آزمائش کی ایک ہیبت ناک ہولناکی بن گیا۔

مامون الرشید کا استبداد

خلفائے عباسیہ میں مامون الرشید عباسی ایک عجیب و غریب حکمراں گذرا ہے۔ اس کی زندگی میں بعض چیزیں بالکل متضاد جمع ہو گئی تھیں۔ وہ ایک طرف علوم اسلامیہ کا ماہر تھا، عربیّہ کا کامل الفن تھا، علم و حکمت کا عاشق اور حرّیت و آزادی کا حامی تھا۔ اس کی حرّیت پسندی نے دنیا کے تمام مذہبوں کو مطلق العنان چھوڑ دیا تھا۔ الحاد آزاد تھا، ثنویت کی پرستش نہ تھی، مانویت علانیہ ظاہر کی جاتی تھی۔ مزدکیۃ

کے لئے کوئی درہ نہ تھا، یونان وایران کے جن ملحدانہ مذاہب کو کبھی بھی پناہ نہ ملی تھی، وہ بغداد کی گلی کوچوں میں پرورش پا رہے تھے۔

لیکن دوسری طرف اسلام کے اندرونی مذاہب واختلافات کے میدان میں اگر دیکھئے، تو اس کے ہاتھ میں استبداد کی بے پناہ تلوار اور زبان پر جبر و قہر کے سخت سے سخت احکام نظر آتے ہیں!

مامون الرشید کے اسی استبداد داخلی کے سلسلہ میں مسئلۂ خلق قرآن کا فتنۂ عظیمہ بھی ہے، جسنے تیسری صدی ہجری میں علمار حق کے لئے ابتلاؤ امتحان کا ایک نہایت نازک وقت پیدا کر دیا تھا۔ اُس نے معتزلہ کا مذہب خلق قبول کرلیا، اور اسی کو حق و باطل اور اسلام وکفر کا معیار قرار دیا۔ اس نے چاہا کہ اپنی حکومت کے جبر و قہر سے لوگوں کو مجبور کرے، اور اس چیز کا اقرار کرائے جس کے لئے شریعت نے اُنھیں کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بھائی امین الرشید کو قیدخانہ کی کوٹھری میں قتل کرا سکتا تھا، اور یقیناً اُس کے بھیجے ہوئے جلادوں کی تلواروں میں یہ قدرت تھی کہ مسکین امین کے تکئے کی ڈھال پر غالب آجائیں۔ لیکن اس کی پوری حکومت اور حکومت کی تمام طاقتیں بھی اس سے عاجز تھیں کہ حاملین شریعت اور علمار حق کے استقامت و ثبات پر غالب آسکیں، اور ان کو حق و ہدایت کی اُس راہ سے پھرادیں جس پر اِن کا یقین اور نور ایمان اُنھیں چلا رہا تھا۔

تاہم فتنۂ عظیم تھا، اور اِس کے قہارانہ نتائج نے وہ سب کچھ کیا جو ایسے مواقع میں ہمیشہ ہوا ہے۔ بہت سے علمار حق قید ہوئے۔ بہت سے جلا وطن کئے گئے۔ بعض خاک وخون میں بھی تڑپے، اور بہتوں کے قدم جادۂ ثبات سے ڈگمگا بھی گئے۔

فتنہ کی ابتدا

غالباً سب سے پہلے ۲۱۲ھ ہجری میں مامون الرشید نے خلق قرآن کے مسئلہ کا

سرکاری طور پر اعلان کیا اور دارالخلافہ میں بحث و مباحثہ کا بازار گرم ہوا لیکن جبر و تشدد کی ابتدا ۲۱۸ھ سے نظر آتی ہے، جبکہ مامون الرشید پوری قوت کے ساتھ آمادہ ہو گیا تھا کہ تلوار کے زور سے خلق قرآن کا مذہب مسلمانوں میں پھیلائے۔

چنانچہ اسی سنہ میں اس نے ایک فرمان اسحاق بن ابراہیم گورنر بغداد کے نام بھیجا۔ فرمان کا مضمون یہ تھا کہ تمام علماء شہر کو جمع کرو۔ جو لوگ خلق قرآن کا اقرار کریں اُنھیں چھوڑ دو، جو انکار کریں اُن کی نسبت خبر دو۔ پھر دوسرا فرمان بھیجا کہ بشر بن ولید الکندی قاضی القضاۃ ابراہیم بن مہدی اگر انکار کریں تو قتل کر دیئے جائیں لیکن اِن کے علاوہ دیگر منکرین خلق قرآن کو صرف قید کر دیا جائے (ابو الفداء جلد دوم صفحہ ۳۱)

ابراہیم بن مہدی کے قتل کا تو پولٹیکل اسباب سے وہ خواستگار ہی تھا۔ لیکن بشر بن ولید کے لئے قتل کی سختی اس لئے تھی کہ وہ قاضی القضاۃ تھے۔ افسوس کہ ان دونوں کا ثبات اس پہلی آزمائش ہی میں ہلاک ہو گیا۔ اور خلق قرآن کا اقرار کر کے اپنی جان بچالی، اور بہت سی کمزور روحوں نے بھی اِن کا ساتھ دیا۔ لیکن علماء حق کی ایک مقدس جماعت ایسی بھی تھی جس کے لئے، حکومت کی تلواروں اور دنیوی عقوبتوں کے فرمانوں سے بڑھکر خدا کا فرمان ہیبت و سطوت رکھتا تھا اُنہوں نے صاف انکار کر دیا، اور قیدخانہ کی بیڑیاں خوشی خوشی پہن لیں۔

اس جماعت حق کا سرتاج وہ وجود مقدس و مبارک تھا جسکو شریعت کے احیاء و تجدید اور کتاب و سُنّت کے مسلک قدیم کے اعلان و حفظ کی خدمت درگاہ الٰہی سے سپرد ہوئی تھی، اور جس کی قربانی کو خدا نے اس فتنہ کے استیصال کے لئے روزِ ازل ہی سے چن لیا تھا۔ یعنی حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو فی الحقیقت تمام آئمہ سلف میں اپنی مخصوص فضیلتوں کی بنا پر ایک ہی شخص ہیں،

جن کو "امام اہل سنّت والجماعت" کے لقب سے پکارا جا سکتا ہے۔

ہم کبھی آیندہ امام موصوف کی اس یادگار قربانی کا حال بہ تفصیل لکھیں گے یہاں صرف اسی قدر اشارہ کرکے ایک دوسرے واقعہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

جامع رصافہ

اس واقعہ کے بعد ہی مصائب و محن کا ایک سیلاب اُمنڈ آیا اور تمام بغداد کانپ اُٹھا۔ علماء کے سامنے صرف دو ہی راہیں تھیں، یا اس چیز کا اقرار کریں جس کا اقرار شریعت نے ان سے نہ کرایا، یا جلاد کی تلوار دیکھیں اور قید خانہ کی زنجیروں سے ہم آغوش ہوں بہتوں نے بغداد سے ہجرت کی۔ بہتوں نے گھر سے نکلنا بند کر دیا۔ بہتوں کی عزلت گزینی یہاں تک بڑھی کہ جمعہ کی جماعت کی شرکت بھی ترک کر دی لیکن کسی کو اس کی جرارت نہیں ہوتی تھی کہ مامون الرشید کی سطوت و وجلال کے مقابلے کے لئے اُٹھے اور اس جبر و قہر اور تسلط غیر شرعی سے اُسے روکے۔

مامون نے گذشتہ واقعات ہی پر قناعت نہ کی، بلکہ استبداد و جبر کا ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ بغداد کی سب سے بڑی مسجد "جامع رصافہ" تھی جو رصافہ کے شرقی جانب واقع تھی اور جس کا صحن ہمیشہ علمائے ملت کے درس و مواعظ کی مجلسوں سے پُر رہتا تھا۔ مامون نے حکم دیا کہ فقہا اور محدثین میں سے کوئی عالم مسجد میں درس نہ دے، اور نہ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے۔ صرف بشر مریسی اور محمد بن جہم کے لئے یہ منصب مخصوص ہے جو اکابر معتزلہ، اور خلق قرآن کے دعاۃ میں سے تھے

انہی دونوں شخصوں کے ہاتھ میں تمام فقہار و محدثین کی موت وحیات کا رشتہ دیدیا تھا۔ جو عالم مسئلہ خلق قرآن کی مخالفت میں ایک لفظ بھی زبان سے نکالتا تھا، پولیس اُسے گرفتار کرلیتی تھی۔ اور اِن کے سامنے لیجاتی تھی۔ وہ جو حکم دیتے تھے اُس کی معاً تعمیل کیجاتی تھی۔ علما، کا ایک بہت بڑا گروہ جو اپنے اندر سچائی کے لئے دُکھ اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، بظاہر ان کا ہمزبان بنگیا تھا اور نفاق کی سپر پر اِن کی تلوار کو روکتا تھا۔

یہ متوحش خبریں بہت جلد تمام عالم اسلامی میں پھیل گئیں اور ہر شہر میں اِسی فتنہ کا چرچا ہونے لگا۔

شیخ عبدالعزیز الکنانی

مکہ معظمہ میں اِس وقت ایک عالم حق اور محدث عصر شیخ عبدالعزیز بن یحیٰی کنانی تھے، اُنھوں نے جب اِس فتنہ کا حال سُنا اور مامون کے قہر و جبر، معتزلہ کے استیلار، اور علمار کی خاموشی کی سرگذشتیں معلوم کیں، تو غیرتِ حق کے جوش اور امر بالمعروف کی روح ایمانی کے اضطراب سے بے اختیار ہو گئے اور عزم بالجزم کرلیا کہ اِس فتنہ کے انسداد کی راہ میں اپنی زندگی قربان کردینگے۔ وہ اپنے رسالہ میں (جو خاص طور پر اسی واقعہ کی نسبت لکھا ہے اور جسکا قلمی نسخہ جامع اموی دمشق کے کتب خانہ میں محفوظ ہے) لکھتے ہیں:۔

اتصل بی وانا بمکۃ ما ابتلی بہ	میں مکہ میں تھا جب مجکو بغداد کے واقعات معلوم ہوئے
الناس فی بغداد وکیف استطال	کہ کس طرح مسلمان ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے
علیھم بشر المریسی ولبس علے	ہیں۔ اور کس طرح بشر مریسی اِن پر سختیاں کر رہا ہے
امیر المؤمنین وعامۃ اولیائہ،	اور کس طرح امیر المومنین اور ارکان سلطنت پر اس کا

فاطار نومی، وخرجت من بلدی	داؤ چل گیا ہے۔ پس میں غفلت سے چونکا اور اپنے شہر
متوجھاً الی ربی، واسأله سلامتی	سے نکلا۔ اللہ کی طرف میری نظر تھی اور اسی کے
حتی قدمت بغداد فشاھدت	فضل و نصرت سے اپنی سلامتی کا خواستگار تھا یہاں تک
من غلظ الامر واستدادہ اضعاف	کہ بغداد تک پہنچ گیا اور اپنی آنکھوں سے تمام حالت
ماکان یتصل بی	دیکھی۔ مجھ پر روشن ہوا کہ معاملہ اس سے بدرجہا زیادہ

سخت و پُر مصیبت ہے جتنا میں نے سُنا تھا۔ انتہیٰ۔

ہم شیخ موصوف کے رسالہ سے اس سفر حق اور جہاد امر بالمعروف کے واقعات نقل کرتے ہیں۔

ورود بغداد

شیخ عبدالعزیز بغداد پہنچے اور یہاں کے تمام حالات معلوم کئے۔ سب سے پہلے مرحلہ یہ تھا کہ وہ کسی طرح مامون الرشید کے دربار تک پہنچیں، اور اس مسئلہ کے متعلق امر بالمعروف کا فرض ادا کریں۔ لیکن اس میں بڑی ہی مشکلیں تھیں۔ ہر قدم پر اس کا خوف لگا تھا کہ کہیں مامون کے مقابلہ سے پہلے ہی گرفتار نہ کرلئے جائیں۔ یا قتل کا فتوے نہ دیدیا جائے۔

وہ اللہ کی طرف جھکے، اس راہ میں اسکی نصرت غیبی سے مدد چاہی، اور ایک خاص تدبیر کرکے جمعہ کے دن جامع رصافہ میں پہنچے۔ ان کا چھوٹا سا لڑکا بھی انکے ساتھ تھا۔

جامع رصافہ میں کلمۂ حق کا اعلان

نماز جمعہ ابھی ختم ہی ہوئی تھی کہ لوگوں نے حیرت و تعجب کے ساتھ ایک عجیب واقعہ دیکھا۔ ایک شخص جو اپنی صورت اور لباس سے مکہ کا باشندہ معلوم ہوتا ہے پہلی صف میں کھڑا ہوگیا ہے، ایک چھوٹا سا بچہ اُس کے بالمقابل ایک ستون سے پیٹھ

لگائے اس کی طرف نگراں ہے، اور بآواز بلند باہم سوال وجواب ہورہا ہے۔

اجنبی نے پکار کر پوچھا "میرے بیٹے! قرآن کی نسبت تو کیا کہتا ہے؟"

بچے نے پکار کر جواب دیا "کلام اللہ، منزل، غیر مخلوق۔ اللہ کا کلام، اتارا ہوا، غیر مخلوق!!"

آہ، یہ چند لفظ تھے جو ایک بچے کی زبان سے نکلے۔ لیکن فی الحقیقت انہی کے اندر دعوت حق اور امر بالمعروف کی ایک کائنات ایمان مخفی تھی۔ یہ وہ صدا تھی جس کے لئے اس وقت بغداد کا ایک ایک ذرہ پیاسا تھا۔ لیکن اس کی درودیوار کو برسوں سے نصیب نہیں ہوئی تھی۔ صرف ایک بار اس جملہ کو کہدینا ہی وہ جہاد اعظم تھا جس کی فضیلت کے آگے ایک ہزار برس کی شب ہائے عبادت اور روزہائے صیام بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتے تھے!

اس لئے نہیں کہ خلق قرآن کا مسئلہ دعوت حق کی قوتوں کے خرچ کرنے کیلئے سب سے بڑا مصرف تھا، اور اس لئے بھی نہیں کہ اس صدا کے ایک بار بلند ہوجانے سے وہ جیل خانہ کھل جاسکتے تھے جن کے اندر علمائے حق محبوس تھے اور وہ زنجیریں ٹوٹ جاسکتی تھیں جو امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح کے پاؤں میں پڑی تھیں، بلکہ صرف اس لئے کہ جبر و استبداد غیر شرعی سے ایک کلمۂ حق کو کہنا جرم قرار دیا گیا تھا، اور انسان کا ہاتھ بڑھ رہا تھا کہ خدا کی کھولی ہوئی زبانوں کو بند کردے پس اس وقت زمین کے ہر اس بسنے والے پر جو خدا کو جانتا اور خدا کے رشتہ کو اپنے دل میں رکھتا تھا، فرض ہوگیا تھا کہ اس انسانی جبر کو توڑے، اور خدا کی وفاداری کے لئے انسانی اطاعت سے سرکش ہوجائے۔

اس وقت برسوں کے کاموں اور صدیوں کے ارادوں کی ضرورت نہ تھی،

بلکہ صرف ایک ہی مقدس لمحہ کی جس کے اندر صدائے حق کی ایک نڈر آواز بلند ہو جائے۔ اس ایک آواز کا بلند کر دینا ہی اصلی کام تھا۔ اس کے بلند کر دینے کے بعد یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے کام کیا کیا؟ حق کا کہنا جب جرم ہو جائے تو حق کہدینا ہی سب سے بڑا کام ہے!

اگر شیخ عبدالعزیز کنانی اس کے بعد ہی قتل کر دیا جاتا، جب بھی اس کے کام کی عظمت کا ایک ذرہ بھی نہ گھٹتا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جابر	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد کلمۂ حق ہے جو کسی جابر بادشاہ کے مقابلہ میں کہا جائے۔

حاکم پولیس اور شیخ کی گفتگو

اس سوال وجواب کی ایک ہی صدا نے تمام مسجد کے اندر تہلکہ مچا دیا۔ لوگ حیرت سے دم بخود ہو گئے اور حیران ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے بہت سے لوگ بھاگ گئے کہ اب کوئی بڑی ہی مصیبت آنے والی ہے۔ لیکن شیخ عبدالعزیز بے خوف وہراس اپنی جگہ پر کھڑے تھے، اور ان کا لڑکا سامنے کے ستون سے ٹیک لگائے دوبارہ منتظر سوال تھا!

اتنے میں کوتوال شہر سپاہیوں کی ایک جماعت لیکر مسجد میں پہنچ گیا، اور شیخ عبدالعزیز اور ان کے لڑکے کو گرفتار کر کے اپنے صیغہ کے رئیس اعلےٰ کے دفتر میں لے گیا، جس کو آجکل کی اصطلاح میں پولیس کمشنر کہنا چاہیئے اس وقت بغداد کا پولیس کمشنر عمرو بن مسعدہ تھا۔ دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔

عمرو بن مسعدہ پولیس کمشنر۔ "کیا تم پاگل ہو؟"
شیخ عبد العزیز۔ "نہیں"
عمرو۔ کسی نے تمہیں بہکایا ہے؟
شیخ۔ نہیں۔
عمرو۔ خودکشی کرنا چاہتے ہو؟
شیخ۔ نہیں۔ الحمد للہ میں صحیح العقل ہوں، اپنے ہوش و حواس میں ہوں اور علم و معرفت رکھتا ہوں۔
عمرو۔ کسی نے تم پر ظلم کیا ہے۔ تم مظلوم ہو؟
شیخ۔ نہیں۔

عمرو بن مسعدہ نے کوتوال سے کہا کہ اسے پوری نگرانی و حفاظت کے ساتھ میرے مکان پر پہنچا دو۔ سپاہیوں کی جماعت نے شیخ کو گھیر لیا، دو آدمیوں نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور پولیس کمشنر کے مکان میں داخل ہوئے۔

عمرو بن مسعدہ (پولیس کمشنر) ان سے پہلے ہی مکان پہنچ گیا تھا، اور صحن میں ایک آہنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ایک نہایت ہی مکلف اور مطلا افسر پولیس کی وردی اس کے جسم پر تھی[1]۔ شیخ کو اپنے سامنے کھڑا کر کے اس نے مزید تحقیق شروع کی۔
عمرو۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟
شیخ۔ مکہ معظمہ کا۔
عمرو۔ آج مسجد میں تم نے جو کچھ کیا اس سے تمہارا مقصد کیا تھا؟

[1] شیخ عبد العزیز نے اپنے رسالہ میں یہاں "سَواد" کا لفظ لکھا ہے۔ سَوار سے مقصود وہ خاص لباس ہے جو اُس زمانہ کے افسر فوج و پولیس کی سرکاری وردی ہوتی تھی۔

شیخ۔ طلبت القرابۃ الی اللہ ورجاء الزلفیٰ لدیہ! (اللہ کے قرب کی طلب اور اس کے رضا کی امید!)

عمرو۔ نہیں تمہارا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے ذریعہ شہرت حاصل کرو، اور چونکہ تم اس کے نتائج سے ناواقف ہو اس لئے حماقت سے سمجھتے ہو کہ یہ شہرت وسیلۂ رزق ہو جائیگی، اور لوگوں سے مال و دولت لوٹ سکونگا۔

شیخ۔ اگر اعلان حق کے سوا اور کوئی خیال میرے سامنے تھا تو وہ صرف یہ تھا کہ کسی طرح امیر المومنین کے حضور تک پہنچوں اور اُن کی موجودگی میں اس مسئلہ کی نسبت مدعیان خلق قرآن سے مناظرہ کروں۔

عمرو۔ سبحان اللہ! اس کی بھی آپ کو جراءت ہے۔

شیخ۔ تم کو میری خواہش پر تعجب کرنے اور حقارت کی نظر ڈالنے کا کوئی حق نہیں تم امیر المومنین کو سب سے بڑا سمجھتے ہوگے، مگر میں خدا کو سب سے بڑا یقین کرتا ہوں!

عمرو۔ اچھا یہی سہی، پھر کیا تم تیار ہو کہ امیر المومنین کے دربار میں اس عقیدہ کو ظاہر کرو اور علماء سے مناظرہ کرو؟

شیخ۔ الحمد للہ اللہ کی مدد سے بالکل تیار ہوں۔ صرف یہی ایک چیز ہے جس نے مجھے یہانتک پہنچایا، اور میں نے دیدہ و دانستہ ایک ایسے شدید خطرہ میں اپنے آپ کو اور اپنے عزیز بچے کی جان کو ڈالدیا۔ خدا کی مقدس کتاب کی عزت برباد ہو رہی ہے اور اس کی نسبت اس بات کا اقرار لیا جا رہا ہے۔ جس کا اقرار خدا اور اُسکے رسول نے نہیں لیا۔ مسلمانوں کی زبانوں کو خدا نے کھولا ہے، مگر تم بند کر رہے ہو، اور بغیر کسی جرم و قصور کے بندگانِ خدا طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ پس میں علم رکھتا ہوں مجھے شریعت کی معرفت خدا نے عطا فرمائی ہے۔ میرا فرض ہے کہ اس فتنہ کے انسداد کی کوشش کروں۔ نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

عمرو۔ اچھی بات ہے۔ تم امیر المومنین کے دربار تک پہنچا دیئے جاؤ گے، لیکن اگر وہاں پہنچکر تم نے اپنا کوئی اور مقصد ظاہر کیا اور ثابت ہو گیا کہ اس مسئلہ کا اظہار محض ایک بہانہ بھانہ تھا تو پھر؟

(اس مسئلہ کے خلاف بحث کرنے کے لئے دربار میں جانا اس وقت ایک ایسی عجیب بات تھی کہ کسی طرح عمرو بن مسعدہ کو اس کا یقین نہیں آتا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ کوئی اور ذاتی مقصد ہے دربار تک پہنچنے کے لئے اس مسئلہ کو وسیلہ بنا لیا ہے)

شیخ۔ اگر ایسا ہوا تو میرا خون تمہارے لئے حلال ہے۔

عمرو۔ تمہارے خون کے حرام ہونے میں تو مجھے اب بھی شبہ ہے، جبکہ تم امیر المومنین کے حکم کی علانیہ مسجد میں توہین کر چکے ہو۔

شیخ۔ حکم صرف خدا اور اس کے قرآن کا ہے۔

عمرو بن مسعدہ نے گھوڑا طلب کیا، اور کوتوال سے کہا کہ میں دربار کی طرف جاتا ہوں، تم شیخ اور اس کے لڑکے کو سپاہیوں کے حلقہ میں لیکر پیچھے پیچھے آؤ۔

شہر کی تمام خلقت ان عجیب و غریب باپ بیٹوں کو حیرت اور افسوس کی نظروں سے دیکھ رہی تھی، جنھوں نے موت کی تلاش میں بغداد کا سفر کیا تھا اور اب اسکے منہ میں بے خوف و خطر جا رہے تھے۔

راہ میں اُنھوں نے لوگوں کی آوازیں سنیں جو کہہ رہے تھے:۔

"دار الخلافہ میں باہر کے مسافر زندگی اور راحت کے لئے آتے ہیں لیکن انھوں نے موت کے عشق میں اپنا گھر چھوڑا"

کیا واقعی ان دونوں نے موت کے لئے اپنے وطن عزیز کو چھوڑا تھا؟

ہاں، مگر اس موت کے لئے جو تمام اُمت مرحومہ کو استبداد کی موت سے نجات دلا کر حرّیت حقہ کی زندگی بخشنے والی تھی! بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

قصر شاہی بغداد کے شرقی حصّہ میں تھا۔ یہ مجمع دجلہ کو عبور کر کے ایوان خلافت تک پہنچا اور عمرو بن مسعدہ شیخ کو کوتوال کی حفاظت میں چھوڑ کر خود اندر گیا کچھ عرصہ کے بعد واپس آ کر شیخ سے کہا :۔

میں نے تمہارا حال امیر المومنین کی خدمت میں عرض کر دیا کہ تم مسئلہ خلق قرآن کی نسبت اُن علماء دار الخلافہ سے مناظرہ کرنا چاہو جو خلق کے قائل ہیں امیر المومنین نے اسے منظور فرمایا۔ پیر کے دن مجلس مناظرہ منعقد ہوگی، امیر المومنین خود بہ نفس نفیس شریک مجلس ہونگے۔ اگر پیر تک کے لئے کسی شخص کو اپنی ضمانت میں پیش کرو تو تمہیں رہا کر دیا جائے۔"

شیخ نے کہا میں مسافر ہوں کسی شخص سے یہاں جان پہچان نہیں رکھتا کہ اسکی ضمانت پیش کر سکوں، علی الخصوص ایسی حالت میں کہ ایک شاہی مجرم ہوں میرے لئے کسے پڑی ہے کہ اپنی جان مصیبت میں ڈالیگا۔"

عمرو نے کہا " خیر ہم تم پر اعتماد کرتے ہیں۔ جب تم اپنے عقیدے میں ایک خیال کو حق سمجھکر اس کے لئے ایسی پر خطر جرأت کر رہے ہو، یقیناً تم جھوٹ نہیں بول سکتے تم جاؤ اور اپنے معاملہ پر غور کرو۔ اگر اب بھی تم اس جنون سے باز آ جاؤ تو تمہاری مسافرت پر رحم کر کے امید ہے کہ امیر المومنین تمہاری کل کی جرأت کو معاف کر دیں۔"

جرأت حق کی پہلی برکت اور خدا کی نصرت کا پہلا نظارہ دیکھو کہ افسر شاہی جو اسلئے تھا کہ شیخ کو سزا دے، خود بخود اسپر اعتماد کرتا ہے اور بغیر کسی کی ضمانت سلئے رہا کر دیتا ہے۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم (اگر تم خدا کے کلمہ حق کی مدد کرو گے تو خدا بھی تمہاری مدد کریگا)

مناظرہ کے دن

مامون الرشید نے تمام علماء دار الخلافہ کو پیر کے دن دربار شاہی میں حاضر

ہونے کا حکم دیدیا۔ شیخ عبدالعزیز پیر کے دن قصر شاہی میں حاضر ہوئے تو کوتوال کو اپنا منتظر پایا۔ وہ عمرو بن مسعدہ کے سامنے لے گیا، عمرو نے دیکھتے ہی کہا:۔
"امید ہے کہ اب تمہیں عقل آگئی ہوگی، اور تم اس جنون سے باز آگئے ہوگے جسکا نتیجہ قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہے تم امیر المومنین کے حکم و عقیدے کی اس سختی سے مخالفت کرنا چاہتے ہو۔ اس کا نتیجہ تلوار کے سوا اور کچھ نہ دیکھو گے۔ اب بھی اس حماقت سے باز آجاؤ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ معافی دلا دونگا۔ نیز شاہی انعام و اکرام اور جاگیر و ریاست سے تم مالا مال کردیئے جاؤ گے کیونکہ تمہارے اندر شجاعت کا جوہر موجود ہے۔"
لیکن شیخ عبدالعزیز کے لئے یہ تمام باتیں بے سود تھیں اُنھوں نے کہا "حق مظلوم ہوگیا ہے۔ میں اسے پھر قائم کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی زندگی کی پروا نہیں تم مال و جاگیر کا ذکر کیا کرتے ہو؟"

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ　　　کہ عنقا را بلند ست آشیانہ

عمر جوش تاسف سے کھڑا ہوگیا اور کہا "افسوس تمہاری غربت پر! اور صد افسوس تمہارے بچے کی یتیمی اور تمہاری بیوی کی بیوگی پر! میں تمہیں ہلاکت سے نکالنے کی کوشش کررہا ہوں مگر تم ہلاکت کے عشق میں دیوانے ہورہے ہو!"
شیخ کی روح حق سے صدائے یقین اُٹھی "اللہ کی وہ نصرت و اعانت جو صرف حق اور خدمت گذاران حق کے لئے ہے، مجھے کبھی نہیں بھلاسکتی۔ اور اگر میرے لئے اللہ نے اپنی راہ میں موت ہی لکھدی ہے تو یہ شہادت ہے۔ پھر شہادت سے بڑھکر اور کونسی نعمت ہوسکتی ہے جس کا ایک مومن کو عشق ہو؟"
عمرو نے جب دیکھا کہ سمجھانا بیکار ہے، تو صحبت ختم کردی اور مامون الرشید کو اُس کے آنے اور آمادۂ مناظرہ ہونے کی اطلاع دی۔ پھر شیخ کو ایک ایسی جگہ بٹھادیا جہاں سے وہ تمام آنے والے لوگوں کو دیکھ سکے۔ اور کہا کہ اجتماع کی تکمیل کے بعد

تم حضرت شاہی میں طلب کئے جاؤ گے۔

شیخ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ عمرو کو میری ہلاکت کا اس درجہ یقین تھا کہ باوجود میری طرف سے مایوس ہونے کے ضبط نہ کرسکا اور آخر میں پھر نصیحت کی:۔

قد جاهدت على خلاصك جهدى وانت حريص على سفك دمك جهدك! فقلت: يا عمرو! معونة الله اعظم والطف من ان ينسانى ومن يتوكل على الله فهو حسبه!

میں نے تمہاری نجات وسلامتی کے لئے وہاں تک کوشش کی جہاں تک میرے امکان میں تھا، مگر افسوس کہ تم اپنا خون بہانے کے لئے حریص ہو اور اس کے لئے اپنی پوری قوت سعی صرف کر رہے ہو۔ میں نے کہا:۔ اے عمرو! اللہ کی اعانت اس سے زیادہ بڑی اور مہربانی رکھنے والی ہے کہ مجھے بھلا دے اور جسنے اللہ پر بھروسہ کیا، اس کو خدا بس کرتا ہے!

مُناظرہ کا اہتمام اور ہیبت و اجلال دربار

مامون الرشید نے مناظرہ کی تیاری کے لئے غیر معمولی احکام جاری کر دئے تھے، اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ ایک عجیب وغریب مناظرہ تھا، اس لئے تمام امراؤ روساؔ، علماء وفقہاء، ارکان و وزراء، افسران فوجی و ملکی اپنے تمام ساز وسامان جاہ وجلال کے ساتھ اس میں شریک ہونے کے لئے نکلے، عبدالعزیز کنانی نے ڈیوڑھی میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ انسانی جاہ وجلال اور سطوت ہیبت کے بڑے بڑے مناظر یکے بعد دیگرے ان کے سامنے سے گذر رہے ہیں!

وہ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں:۔

عمرو بن مسعدہ نے مجھے ایسی جگہ بٹھایا، جہاں سے میں تمام آنے والوں کو اچھی طرح دیکھ سکوں۔ بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ خاص امیر المومنین کے حکم سے ایسا کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دربار میں جانے سے پہلے ہی دربار کے جاہ وجلال کی ہیبت

مجھ پر طاری ہو جائے، اور میں دیکھ لوں کہ کیسی پر ہیبت وسطوت مجمع کے سامنے مجھے جانا پڑے گا، اور آزادی و بے باکی کی زبان کھولنی پڑیگی؟ لیکن افسوس کہ وہ انسانی جاہ وجلال کے جلوے دکھلاکر ایک ایسے شخص کی آنکھوں میں ڈر اور ہیبت پیدا کرنا چاہتے تھے، جس کی نگاہوں کے سامنے رب السمٰوات والارض کا لازوال جاہ وجلال موجود تھا، اور جو نگاہ خدا کی عظمت و قدوسیت کے جلووں میں محو ہو چکی ہو، اُس کو انسانوں اور انسانوں کے قیمتی کپڑوں اور آہنی تلواروں کی قطاریں کیا ڈرا سکتی ہیں؟"

مبیں حقیر گدایاں عشق را کیں قوم　　شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

شیخ عبدالعزیز نے دیکھا کہ سب سے پہلے امرار بنو ہاشم کا گروہ نمودار ہوا جن کے سیاہ عماموں کے طلائی شملے ہوا میں اُڑ رہے تھے، اور آفتاب کی روشنی میں ان کا سنہری رنگ اِس طرح درخشندہ تھا کہ نگاہیں زیادہ دیر تک نظارہ کی تاب نہیں لاسکتی تھیں۔ ان کی عبائیں بھی سیاہ تھیں جن کو خلفاء عباسیہ نے اپنا قومی لباس قرار دیا تھا، اور عباؤں کی سیاہی کے اندر سنہری ساز و یراق اور طلائی قبضۂ و میان شمشیر کی متحرک چمک اس طرح نظر آتی تھی گویا ابر آلود آسمان پر بجلیوں کی مضطرب لہریں کوند رہی ہیں۔

اِس کے بعد علماء و فضلاء دار الخلافہ کا مقدس جلوس تھا، جن کے لباس اور ساز وسامان سواری میں اگرچہ سونے چاندی کے تکلفات نہ تھے اور ہر چیز سے سادگی اور بے تکلفی نمایاں تھی، تاہم ان کا عظیم الشان گروہ، غلاموں کے حلقے، خدام کا جاہ وحشم، مذہبی زندگی کا مقدس جاہ وجلال، اور پر ہیبت و وقار چہرے بجائے خود ایک ایسی ہیبت رکھتے تھے جو مصنوعی تکلفات د آرائش کے ساز وسامان سے بے نیاز تھی، اِس جلوس میں سب سے پہلے بشر مرلسی کی سواری تھی جو اِس وقت فرقۂ

معتزلہ کا سب سے زیادہ نامور رئیس تھا۔ اس کے بعد دار الخلافہ کا قاضی القضاۃ اپنے جاہ وحشم۔ ریاست کے ساتھ جلوہ آرا تھا۔ پھر تمام قضاۃ وارباب افتاء کی جماعت تھی، ان کے بعد متکلمین وفقہاء اور ارباب درس وعلوم کا سلسلہ۔ لیکن ان سب میں زیادہ نمایاں حصہ فرقۂ معتزلہ کے علما کا تھا اور جو علماء معتزلہ میں سے نہ تھے وہ بھی اقلاً مسئلہ خلق قرآن میں سرکاری حکم کے آگے سر اطاعت جھکا چکے تھے۔

اس نظارۂ تقدس کے بعد وزراء وارکان سلطنت کا پر عظمت نظارہ تھا ان کے عمامے بھی سیاہ تھے۔ مگر طلائی شملوں کی جگہ عماموں کے بالائی پیچ پر ایک مطلا حاشیہ لگا تھا اور اس احتیاط سے لپٹا گیا تھا کہ عمامے کا نصف زیریں قطر طراز شعاعین کا ایک سنہری دائرہ بن گیا تھا ان کے گھوڑوں کے ساز ویراق بھی مطلا تھے اور سنہری وردیوں سے ملبوس غلاموں کا شاندار حلقہ ہر سوار کے گرد وپیش جلوہ فروش عظمت وجلال تھا!

اعیان حکومت کے بعد افسران فوجی کی سب سے زیادہ موثر اور ہولناک ہیبت تھی جو اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ محل شاہی کی طرف آرہے تھے، اور ان کی برہنہ تلواریں، رو بآسمان نیزے، طرح طرح کے اسلحہ جنگ، ایک آہنی سمندر کی طرح متلاطم نظر آتے تھے۔

شیخ عبد العزیز اس فوجی نظارۂ دہشت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ورکب القوم بالسلاح	اور مسلح فوج کی اس لئے نمائش کی گئی تاکہ میرے دل پر وحشت
لاحداث الھیبۃ فی نفسی	وہیبت طاری ہو جائے۔ نیز اس خیال سے بھی کہ میں نے حکم
وسائر الناس الذین	سلطانی کو ٹھکرا کر اگر عام رعایا کے اندر کوئی مفسدانہ جوش پیدا
یوشک ان نفسھم	کر دیا ہو، تو وہ بھی اس فوجی نمائش سے مرعوب ہو کر دب جائے۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے یہ سازوسامان صرف شیخ کو ڈرانے ہی کے لئے نہیں کیا تھا، بلکہ عام رعایا کے اندر مخالفانہ جوش پیدا ہو جانے کا بھی اُسے اندیشہ تھا۔ اِس سے اندازہ کرو کہ ایک مسافر غریب الوطن اجنبی کی صرف ایک ہی صدائے حق نے مامون الرشید اعظم کی اُس حکومت کو جو قیصر قسطنطنیہ کو "روم کا کتا" کہکر خطاب کرتی تھی اور کتے کی طرح عاجزی کی زمین لوٹا دینے کی طاقت بھی رکھتی تھی، کس طرح لرزا دیا تھا؟ اور کس طرح دگھبرا کر اپنی فوجوں اور ان کی برہنہ تلواروں کی نمائش کر رہا ہے کہ کہیں اِس غریب الوطن کی مقاومت میری مطیع رعایا کے دل سے میری ہیبت نہ نکالدے؟

پھر اور زیادہ غور کرو، اور دیکھو کہ یہ عبدالعزیز کون تھا؟ دنیا کی بادشاہت اسکے پاس کتنی تھی؟ خزانہ و فوج میں سے کیا رکھتا تھا؟ کتنے غلام اِس کی رکاب کو تھامتے تھے؟ کتنے محل اِس نے اپنی آسائش کے لئے تعمیر کئے تھے؟

آہ! دنیا کے ان تمام سامانوں اور دنیوی جاہ وجلال کی ان تمام نمائشوں میں سے تو اِس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ ایک تنہا مسافر جس کو بغداد میں آئے ہوئے چوتھا دن تھا، ایک غریب الوطن فقیر جس کا شہر بھر میں ایک بھی ساتھی اور حمایتی نہ تھا، ایک اجنبی محض جس کے جسم پر مسکینی کے لباس اور غربت کی فقر نمائی کے سوا اور کچھ نہ تھا، بااین ہمہ اِس کے پاس ایک ایسی طاقت تھی جس کی فرماں روائی دملوکی کے آگے مامون الرشید کی پوری سلطنت بھی ہیچ تھی، اور جس کے جاہ وجلال کے آگے اُس کی وہ سطوت وابہت بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی جس سے قیصر روم ڈرتا اور شاہ فرانس لرزتا تھا۔ یہ طاقت نہ تو تخت شاہی کے اوپر پیدا ہوتی ہے اور نہ شہنشاہی کے عظیم الشان قصروں اور محلوں میں: اِس کا گھر انسان کا ٹوٹا دل ہے، اور اس کا محل ایمان باللہ کی زخمی روح ہے۔ بادشاہ کا تخت جسم پر حکم کر سکتا اور لوہے کی

تلوار گردن کی رگوں کو کاٹ سکتی ہے، پر نہ تو اس طاقت الٰہی کے آشیانے کو اُجاڑ سکتی ہے، اور نہ اس کی اقلیم سلطنت پر اس کی فرماں روائی چل سکتی ہے۔ وہاں صرف خدا ہے، اس کا ایمان ہے، اسکے کلمۂ حق کی خسروی ہے، اسکی صداقت وراستی کی ملوکی ہے اور حق ومعرفت کے ایک ہی فرمان اعظم کا حکم ہے!

اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ویدخلھم جنات تجری من تحتھا الانھار خٰلدین فیھا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اولٰئک حزب اللہ، الا ان حزب اللہ ھم المفلحون (۵۸-۳۰)

یہی وہ راست باز انسان ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے اپنے ایمان کا نقش جما دیا، اور اپنی روح نصرۃ وفہمندی سے ان کی مدد کی، پس اب خوف وہراس اور ناکامی ونامرادی ان کے لئے نہ رہی، وہ ان کو بہشتوں کی بہشتی زندگی میں داخل کریگا، وہاں باغ وچمن کا دائمی عیش ہے اور نہروں کی روانی کا نظارۂ راحت اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہ اللہ کی جماعت ہے اور یقین کرو کہ اللہ کی جماعت ہی فلاح اور مراد پانے والی ہے۔

پس شیخ عبدالعزیز کے وجود غربت وفلاکت کے اندر جو ہیبت اجلال پیدا ہو گیا تھا، اور جس نے مامون اعظم کو اپنی فوجوں کے نکالنے اور تلواروں کے چمکانے پر مجبور کر دیا تھا، وہ شیخ عبدالعزیز کی ہیبت نہ تھی جس کو تلوار کی ایک حرکت دو ٹکڑے کر دے سکتی تھی، وہ خدائے عبدالعزیز کی ہیبت تھی، وہ حق پرستی اور ایمان باللہ کی قہاریت تھی، وہ جرأت ایمانی اور سطوت روحانی کا ناممکن التسخیر اجلال تھا، کما قال فی المثنوی۔

ہیبت حق ست ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

داخلہ

جب تمام ارکان و شرکا مجلس مناظرہ آچکے تو شیخ عبدالعزیز کی بھی طلبی ہوئی ایک کے بعد ایک متعدد دہلیزیں تھیں جن سے شیخ کو گذرنا پڑا۔ سلطانی دہلیزوں کے مرحلہ کے بعد ایوان ہائے خلافت کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جن میں سے ہر ایوان ایک پوری شہنشاہی کے ساز و سامان شوکت و ابہت سے معمور تھا، اور ہر ایوان کے خاتمہ پر اس کا پہلا رہنما رخصت ہو جاتا اور نیا ہاتھ اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا تھا۔ اسکے بعد اور بھی بہت سے مرحلے آئے جن کی تمام جزئیات شیخ نے لکھی ہیں اور ان سے زیادہ خطیب بغدادی وغیرہ مورخین عہد عباسیہ کی روایتوں سے واضح ہوتی ہیں۔ لیکن سرگزشت کا یہ تمام حصہ دولت عباسیہ کے جاہ و جلال سلطنت کے کارخانوں سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر ہم اس وقت مضطرب ہیں کہ مجلس مناظرہ تک جلد سے جلد پہنچیں اور انسانی حکومتوں کے جاہ و جلال کی جگہ ایک داعی حق کے جاہ و جلال خداوندی کا جلوہ دیکھیں۔

صاحب الستر

یہاں تک کہ "صاحب الستر" یعنی رئیس حجاب کا ایوان خاص آگیا۔ عہد عباسیہ میں "صاحب الستر" کا عہدہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا آج کل یورپ میں (lard chambar Lain) یا ٹرکی میں "وزیر تشریفات" کا ہے یعنی شاہی ملاقات وحضور کا متوسط و وسیلہ۔ اس کو "حاجب" بھی کہتے تھے اور یہ قصر شاہی کا وہ آخری برزخ ہوتا تھا جسکے بعد خلیفہ کے حضور میں کوئی شخص پہنچ سکتا تھا۔ اسلام نے جب خلیفۂ وقت کے لئے کوئی محل ہی نہ بنایا تو اس کے دروازہ کے لیے دربان کہاں سے آتا؟

اس لئے خلفائے راشدین کا تمام عہد اس عہدہ سے خالی رہا سب سے پہلے امیر معاویہ نے دہلیز شاہی کی بنیاد ڈالی، اور شاہان عجم کی روایتیں سنکر حاجب کا عہدہ اسکے لئے قرار دیا[1]

حاجب صحن دربار تک لے گیا۔ صحن کے دونوں جانب کمروں کا ایک سلسلہ تھا جس میں مخصوص وزراء و ندماء اذن حضور تک ٹھہرتے اور انتظار کرتے تھے۔ یہاں پہنچکر شیخ سے حاجب نے پوچھا:۔

"آپ کو وضو کے تجدید کی خواہش ہے؟"

شیخ نے کہا "نہیں" حاجب نے کہا:۔

تو قبل اس کے کہ آپ امیر المومنین کے حضور میں پہنچیں، دو رکعت نماز نفل پڑھ لیجئے۔

شیخ نے نماز پڑھی، اور جب نماز پڑھی تو یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ کس عالم میں پڑھی اور اپنے اُس خداوند قدوس کے حضور میں کیونکر کھڑے رہے جس کے کلمۂ حق کے لئے عنقریب ایک انسانی شہنشاہی کے حضور میں جانے والے تھے۔

بجرم عشق توام میکشند، غوغائیست ۔۔۔ تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ

ایوان دربار

اب پردہ اُٹھا اور شیخ نے یکایک دیکھا کہ کرۂ ارضی کے موجودہ عہد کا سب سے بڑا شہنشاہ (مامون اعظم) اس کے سامنے ہے۔

یہ نگاہوں کو خیرہ کر دینے والا ایک آفتاب نصف النہار تھا، جو یکایک ابر کے نقاب سے باہر نکل آیا، اور ایک غریب الوطن اجنبی کے لئے بہت مشکل تھا کہ پہلی نظر میں اس نظارے سے

---

[1] الاستیعاب میں حافظ عبد البر نے اسکی تصریح کی ہے۔ نیز تمام مورخین اسلام کا اسپر اتفاق ہے۔

متاثر نہو۔ سلہ

تمام خدام و متعلقین دربار کو چونکہ شیخ کے متعلق معلوم تھا کہ یہ شاہی مجرم ہے اور اس لئے موجودہ عہد حکومت کا سب سے بڑا گردن زدنی جرم کیا ہے، اسلئے اُنھوں نے چاہا کہ مامون کے حضور میں جسقدر سختی اور بے احترامی اس کے ساتھ کرسکتے ہیں کریں، اور اسے محترم لوگوں کی طرح دربار میں نہ لائیں۔ چنانچہ اس موقع کے متعلق شیخ عبدالعزیز اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں:۔

فازاح الستر واخذ الرجال بیدی وعضدی، وجعل اقوام ایدیھم فی ظھری وعلی رقبتی وطفقوا یعدوننی، فنظر الیّ المامون وانا اسمع صوتہ "خلوا عنہ" وکثر الضجیج من الحجاب	"پردہ ہٹا اور خدام بارگاہ نے میرے ہاتھوں اور بازوؤں کو پکڑ لیا، وہ اسطرح مجھپر ٹوٹ پڑے کہ ان کا ایک ہاتھ میرے سینے پر تھا اور ایک کاندھے پر۔ اُنہوں نے اس طرح سختی اور بے حرمتی کیساتھ چاہا کہ مجھے اندر لیجائیں۔ مگر اُسی وقت مامون الرشید کی نگاہیں مجھ پر پڑیں اور میں نے اُس کی آواز سُنی کہ وہ کہہ رہا ہے: "اُسے چھوڑ دو" مامون کے کہنے کے ساتھ ہی لوگوں نے بھی

سلہ مامون الرشید تخت پر نہیں تھا، کیونکہ یہ مجلس مناظرہ تھی۔ اور ہارون الرشید سے لیکر مقتدر باللہ تک خلفائے عباسیہ کا یہی قاعدہ رہا کہ علمی مجالس میں ہمیشہ مثل اور شرکاء مجلس کے فرش ہی پر بیٹھتے تھے۔ البتہ صدر ایوان میں اُن کی جگہ اور مغرق بطلا قالین مخصوص تھا۔ ڈاکٹر جی۔ سلیمان (G.Salmon) نے ابو بکر خطیب بغدادی کی تاریخ مدینۃ السلام کا جو ٹکڑا ایڈٹ کر کے چھاپا ہے، اُس میں ایک خاص عنوان خلفائے عباسیہ کی مجلس علمیہ کے متعلق بھی ہے۔ اس میں تشریح کردی ہے کہ ہارون اور مامون جب کبھی کسی مجلس مناظرہ و محادثہ علمیہ میں یا بیت الحکمۃ میں آتے تھے تو عام علماء و حکماء کی طرح خود بھی فرش پر بیٹھتے تھے، اور مامون کا تو یہ حال تھا کہ بسا اوقات اپنے معتمد علماء کو صدر میں اپنی جگہ دے دیتا تھا!

والقواد بمثل ذالك، فخلوا عنی وقد کاد تیغیر عقلی من شدۃ الجزع وعظیم ما رایت فی ذالک الصحن من السلاح، وھو مبدء الصحن وکنت قلیل الخبرۃ بدار امیر المومنین، ما رایتھا قبل ذالک ولا دخلتھا

اس کی تعمیل میں "چھوڑ دو، چھوڑ دو" غل مچایا، اور بے شمار آوازیں ایک ساتھ بلند ہو گئیں۔ حکم شاہی پاتے ہی خدام وحجاب نے مجھے چھوڑ دیا۔ لیکن دربار شاہی کے اچانک نظارے، خدام وحجاب کی اس دار وگیر، اہالیان دربار کی صداؤں کے ہنگامہ، وبرہنہ تلواروں اور اسلحہ جنگ سے بھرے ہوئے صحن کی ہولناکی نے میرے ہوش وحواس پر نہایت اثر ڈالا، اور قریب ہوا کہ شدت ہراس اور ہیبت نظارہ سے میری عقل متغیر ہو جائے۔ اور میرا حال یہ تھا کہ نہ تو کبھی اس سے پہلے میں نے محل شاہی کو دیکھا تھا، نہ کبھی اس میں قدم رکھا تھا۔ میری معلومات بھی امیر المومنین کے دربار کے متعلق بہت تھوڑی تھیں۔" انتہیٰ

علماء حق کے اس صدق بیان اور راستی فطرۃ کو دیکھکر شیخ عبد العزیز کس طرح صاف خود اپنے قلم سے اپنی کمزوری کی سرگذشت لکھ رہے ہیں جو اس موقع میں ان سے ظاہر ہوئی، اور اس دربار میں پہنچکر جس کے جلوؤں نے قیصر روم کے ایلچی کو اپنے عہد تنزل میں بھی مبہوت و لایعقل کر دیا تھا، وہ باوّل نگاہ اپنے ضبط وتمکین کو قائم نہ رکھ سکے؟[۱]

---

[۱] المقتدر باللہ عباسی کے زمانے میں قیصر روم نے بعض معاملات کے انجام دینے کے لئے ایک سفیر بھیجا تھا، جس سے خلیفہ موصوف نے "قصر حسنی" میں ملاقات کی تھی۔ اس ملاقات کی تفصیلی حالت خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں درج کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ سفیر دہلیز میں قدم رکھتے ہی بالکل مبہوت ہو گیا۔ ساز وسامان سلطنت دیکھکر اس کے ہوش وحواس بجا نہ رہے اس نے حجاب سے کہا کہ کچھ دیر کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دیا جائے تاکہ اپنے ہوش وحواس میں آ جاؤں۔

اللہ اللہ انقلاب زمانہ کی نیرنگیاں! ایک زمانہ وہ تھا کہ روم کا سفیر ہمارے (دیکھو صفحہ ۲۹)

بہرحال شیخ کو حجاب کے جبر و قہر سے نجات ملی، اور دربار کے دروازہ سے چند قدم آگے بڑھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مامون الرشید کی آواز برابر میرے کانوں میں آرہی تھی:۔
"ادخلوہ و قربوہ" اس اندر لاؤ اور مجھ سے قریب کرو چنانچہ وہ بلا تامل آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ اُنہوں اس عہد کی زمین کے سب سے بڑے بادشاہ کو اپنے سامنے دیکھا، اور بغیر کسی عجز و انکسار کے بآواز بلند کہا "السلام علیک یا امیر المومنین و رحمتہ اللہ و برکاتہ" مامون نے جواب دیا "وعلیک السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ" اور ساتھ ہی ایک لمحہ تک سر سے لیکر پیر تک اُن کو دیکھتا رہا۔ اُس کے بعد کہا "اور آگے آؤ" شیخ آگے بڑھے، پھر کہا "آگے آؤ" شیخ اور آگے بڑھے، تیسری مرتبہ پھر اسی حکم کو دہرایا۔ شیخ بالکل قریب چلے گئے۔ صاحب المستر بھی ساتھ تھا اور بتدریج اُن آگے بڑھاتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان میں اور مامون الرشید میں صرف اتنا فاصلہ رہ گیا کہ دو آدمی درمیان میں بیٹھ سکتے تھے۔ شیخ اپنی جگہ پاکر بیٹھ گئے۔ مگر اب تک ان کے دل میں ہیبت و رعب کے اثرات باقی تھے۔

(بقیہ صفحہ ۲۸) دربار میں آتا تھا اور ہماری عظمتوں کو دیکھکر بیہوش ہو جاتا تھا۔ آج خود ہم غیروں کے ساز و سامان کو دیکھکر شدت مرعوبیت سے بے عقل و حواس ہو گئے ہیں، اور ان کو طاقت کا ایک دیوتا سمجھکر اللہ کی طرح پوج رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ہیبت و ہراس کے سوا کبھی خود دارانہ احساس کا ایک لمحہ بھی ہمیں میسر نہیں آتا!

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم　　　ہو گئے خاک انتہا ہے یہ!

آگ کے شعلے بجھ جاتے ہیں لیکن راکھ کے ڈھیر میں چنگاریاں دبی دبائی باقی رہتی ہیں، اور ہوا کے ایک جھونکے سے بھڑک اُٹھتی ہیں۔ پھر کیا اس چولھے کی چنگاریاں کبھی بھی نہ بھڑکیں گی؟ کیا طوفان حوادث و تغیرات کا کوئی جھونکا ان پر سے نہیں گزریگا؟ وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وھو الولی الحمید!

صاعقہ حق کی پہلی گرج

شیخ جونہی اپنی جگہ بیٹھے، ایک طرف سے صدا آئی:۔

"اس کے لئے تو صرف اس قدر کہدینا کافی ہے کہ قبح اللہ وجہک (عربی میں مذمیل دتحقیر کی ایک گالی ہے) خدا کی قسم میں نے اپنی پوری عمر میں کسی شخص کو اسقدر بدصورت نہیں دیکھا"

شیخ لکھتے ہیں کہ میں نے اس آواز کو سُنا، لیکن اب تک میرے دل میں ہیبت وہراس کا تھوڑا بہت اثر باقی تھا۔ اس لئے میں خاموش رہا۔ حتیٰ کہ کہنے والے کی طرف میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔

اس کے بعد مامون الرشید شیخ کی طرف متوجہ ہوا، اور شیخ کا نام، خاندان ابویت، جدیت، قبیلہ۔ وطن، محلہ، مکہ معظمہ کے بنو ہاشم کے حالات، اور اس قسم کی بہت سی باتیں دریافت کیں۔ جن کو ہم نظرانداز کر دیتے ہیں، اسکے بعد کہا:۔

"تمہارا بغداد میں آنا اور جامع رصافہ میں کھڑے ہو کر میرے ایک حکم دینی وشرعی کو توڑنا، اور خدا کی صفات میں دوسری چیزوں کو شریک کرنا اور پھر مناظرہ کی خواہش کرنا یہ تمام حالات میں نے سُنے ہیں۔ اور اسی لئے علماء دارالخلافہ کو میں نے آج مدعو کیا ہے"

شیخ لکھتے ہیں کہ "مامون الرشید کا یہ جملہ کہنا کہ تم نے خدا کی صفات میں دوسری چیزوں کو شریک کیا، میرے لئے رحمتِ الٰہی ہو گیا۔ مجھپر دربار کی ہیبت کا اثر ابتک باقی تھا، مگر مسئلۂ خلق قرآن کی نسبت جب یہ قول باطل مینے سُنا تو معاً دل کے اندر ایک آگ بھڑک اُٹھی، اور دعوت حق کی غیرت سے میں معمور ہو گیا۔ ساری ہیبت

ودہشت یکقلم کافور ہوگئی اور میں دو بدو جواب دینے اور امر بالمعروف کا فرض ادا کرنے کے لئے بالکل مستعد ہوگیا۔"

مامون کے جملے ابھی پورے ختم بھی نہیں ہوئے تھے کہ شیخ کی آواز بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک کی طرح ایوان دربار میں گونج اُٹھی۔ تمام اہل دربار اس مبارزت اور بیباکی پر ٹوکتے رہے، مگر اس نے کسی کی پروانہ کی اور جس طرح ایک معمولی اور حقیر انسان سے کوئی خطاب کرتا ہے کڑکتی ہوئی آواز میں تقریر شروع کی۔

"یا امیرالمومنین! میں ایک فقیرالحال طالب علم ہوں۔ اپنے وطن اور خانۂ خدا کے مقدس جوار میں تھا کہ میں نے خلیفۂ وقت کے مظالم و جبر کی دردانگیز سرگذشت سُنی۔ مجھے معلوم ہوا کہ حق مظلوم ہوگیا ہے، سُنّت کی روشنی بجھ گئی ہے، بدعت کی آندھیاں زور و شور سے چل رہی ہیں۔ حق کا کہنا جرم ہوگیا ہے، اور باطل پرستی کے صلہ میں جاہ و عزت کی بخشش ہو رہی ہے۔ جس چیز کا اقرار خدائے تعالےٰ نے امت مرحومہ سے نہیں کرایا، جس کی گواہی اس کے رسول نے نہیں دی، جسکا اعلان خلفائے راشدین نے نہیں کیا جن کی خلافت طریق نبوت پر تھی، اور جس کے لئے کسی ایک صاحب رسول اللہ کی زبان کو بھی حرکت نہیں ہوئی اس چیز کے اقرار کو آج ایک انسان ہر مومن کے لئے شرط قرار دے رہا ہے، جو ہارون الرشید کے گھر میں پیدا ہوا اور وہ ہادی کا لڑکا تھا۔ اُس نے نہ تو تابعین کو پایا نہ اصحاب رسول اللہ کو دیکھا، نہ عہد نبوت کی برکتوں میں اس کا کوئی حصہ ہے، تاہم وہ شریعت الٰہی کے اس مخفی راز کو جانتا ہے جس کو تابعین نے نہ جانا اگرچہ دنیا سے مومن گئے، صحابہ نے نہ جانا اگرچہ کفر کی چھینٹ بھی ان پر نہ پڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نے اس کے لئے کچھ نہ کہا حالانکہ صاحب وحی رسالت تھے۔"

شیخ عبدالعزیز اب وہ عبدالعزیز نہ تھا جسکو عمرو بن مسعدہ نے کوتوالی میں

اپنے سامنے کھڑا کیا تھا، اور جو دربار مامونی کے دروازہ میں قدم رکھتے ہی اس کی ہیبت و جلال سے لرزا اٹھا تھا۔ اب وہ ایک دوسری ہی روح حق تھی، جو دنیا کی تمام جسمانی طاقتوں اور عظمتوں سے ارفع و اعلیٰ ہو کر صرف رب السموات والارض کی قدوسیت سے فیضیاب جلال و قہاریت تھی، اور مامون الرشید اگر تمام کرۂ ارضی کی بکھری ہوئی طاقتوں کو جمع کر کے اپنے ساتھ لے آتا، جب بھی اس صدا کی گرج کی تاب نہیں لا سکتا تھا!

شیخ کے جوش و خروش، بے باکانہ طرز بیان، مساویانہ مقابلہ اور ہنگامہ ساز آواز کی ہولناکیوں نے اس تمام مجمع کو اس طرح دم بخود کر دیا کہ (حسب تشریح شیخ) کسی کو روکنے یا ٹوکنے کا ہوش نہ تھا حتیٰ کہ جب اُنھوں نے خود مامون الرشید اعظم کا اس حقارت کے ساتھ ذکر کیا، جب بھی ان حجاب و خدام بارگاہ کی تلواروں کو حرکت ہوئی جو اسے دھکیلتے ہوئے دربار میں لا رہے تھے۔ اور نہ ان امراء و رؤسار کی زبانیں ہلیں، جنھوں نے اس کے کم رو چہرے کی حقارت کی تھی! اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ!

شیخ نے اپنی تقریر جاری رکھی:۔

"آہ تم ہوا کا وہ جھونکا ہو جس سے شریعت کی آگ تو نہ روشن ہو سکی مگر اسنے سُنت کے چراغوں کو گل کر دیا۔ تم سیلاب خلافت کی وہ رو ہو، جو بدعات و محدثات کی خس و خاشاک کو تو نہ بہا سکے مگر اس نے حق پرستی کے تناور درختوں کو گرا دیا۔ تم امارت و سیادت کی وہ تلوار ہو جو بطلان و ناحق کوشی کی فوجوں کو تو نہ قتل کر سکے پر اس نے ارباب حق کے سروں کو اپنی بُرّش و روانی کا تختۂ مشق بنا یا اب تک تمہارا دعوی رسول کی جانشینی کا رہا تھا۔ مگر اے مامون بن ہارون! تو اب رسول کی جانشینی ہی کا نہیں بلکہ رسول سے زیادہ حق رسالت کا مدعی ہو گیا ہے،

رسولِ خدا نے اُمت سے اِس کا اقرار کبھی نہیں کرایا کہ وہ کلام اللہ کو غیر مخلوق کہیں، مگر تیرے نزدیک کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ بطلان کے اِس کلمہ پر ایمان نہ لائے، تو نے صرف اِس جرم پر کہ اربابِ حق نے صراطِ مستقیم سے انحراف نہ کیا جو خدا کے رسول اور اُس کے تربیت یافتوں نے انکے آگے کھولدی ہے اپنے جبر و جور کی تلوار میان سے کھینچی، اور انہیں کافروں کی طرح قیدخانوں میں قید کر دیا۔ رسول اللہ کی سُنت کے اتباع کے لئے تیرے پاس سزا و عقوبت ہے، اور بدعت و ضلالت کے لئے پیشوائی و سیادت کی عزت! خدا کے رسول نے ذمیوں کو امان دی ہے، مگر تیری خلافت میں مسلمانوں کے لئے امان نہیں ہے۔ اے مامون! اللہ سے ڈر، اسکے عذاب کی پکڑ سے کانپ جس میں بہت ڈھیل ہے، مگر جس سے کبھی چھٹکارا نہیں وہ زمین کے ائمہ و خلفاء کو تلوار بخشتا ہے تو ان سے چھین بھی لیتا ہے۔ تم سے پہلے دمشق کے ائمۂ جور نے مسلمانوں کا خون مباح کیا، مگر تمہارے ہاتھوں اُن کا خون بھی مباح کیا گیا۔ نہ ہو کہ تمہارا خون بھی کسی کے ہاتھوں مباح کیا جائے۔ تم ان کے تخت کے وارث ہوئے ہو، مگر اُن کے جور و طغیان کی وراثت نہ لو"

شیخ عبدالعزیز کی بقیہ تقریر

جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا، شیخ کا جوش و خروش بڑھتا جاتا تھا۔ سارے دربار پر ایک بیخودانہ ہیبت طاری تھی۔ فوجوں کی قطاریں جس کے ڈرانے کے لئے نکالی گئی تھیں، امراء و رؤسا کا پر عظمت جلوس جس کی زبان کو گونگا اور عقل کو معطل کر دینا چاہتا تھا، خدام و حجاب کی برہنہ تلواریں جس کو سزا دینے اور ایک ادنیٰ اشارۂ شاہی پر قتل کر دینے کے لئے چمک رہی تھیں، اور جو ایک فقیر الحال اجنبی اور بیکس مجرم کی طرح بغداد کی کوتوالی میں کھڑا کیا گیا تھا، حق کی شہنشاہی کو دیکھو کہ وہی شخص آج مامون

اعظم کے دربار میں اس طرح بادشاہوں کی طرح غضبناک ہو رہا اور شہنشاہوں کی طرح حکمرانی کر رہا ہے، گویا بغداد کے تخت پر مامون کی جگہ اس کو بٹھا دیا گیا ہے، اور ایوان دربار کے اندر اور باہر جو کچھ ہے، وہ مامون الرشید اعظم کے لئے نہیں ہے، بلکہ عبدالعزیز بن یحییٰ الکنانی کے لئے ہے!

اور پھر دیکھو کہ ان چند لمحوں کے اندر کوئی چیز بھی نہیں بدلی۔ وہی مامون ہے، وہی اُس کا تاج و تخت ہے وہی اس کے ارکان و وزرا ہیں۔ وہی فوجیں ہیں، وہی انکی بے نیام تلواریں ہیں، وہی مجلس مناظرہ ہے، اور وہی عبدالعزیز کا جسم حقیر و وجود تنہا، لیکن صرف ایک چیز بدل گئی، یعنی عبدالعزیز کا دل اور اسکی ایمان و حق پرستی کی روح الٰہی۔ اس ایک حقیقت کے بدلنے کے ساتھ ہی تمام کائنات جسم و طاقت میں بھی انقلاب عظیم ہو گیا۔ جو انسان قہر کے لئے تھے، خود مقہور ہو گئے۔ جو زبانیں حکم کے لئے تھیں خود محکوم ہو گئیں۔ جو ہاتھ عتاب کے لئے تھے، خود معتوب ہو گئے جو آنکھیں سحر و ساحری کے لئے تھیں، خود مسحور ہو گئیں اور جو عظمتیں کسی سے سجدہ خواہ تھیں، اب خود ہی کسی عظمت اعلیٰ و رفعت کبریٰ کے آگے سر بسجود ہو گئیں! من لہ المولیٰ فلہ الکل!

شیخ نے تقریر جاری رکھی اور خلافت اسلامی اور اُس کے فرائض کی طرف متوجہ ہوئے اور بکثرت قرآن حکیم کی آیات اور احادیث کی تصریحات بیان کر کے دکھلایا کہ مسلمانوں کے امیر کو کیسا ہونا چاہیئے۔ اور خلفائے عباسیہ علی الخصوص مامون الرشید کے اعمال کیسے ہیں؟ پھر اُنھوں نے خلفائے راشدین اور عامۂ صحابہ کے اتباع کتاب و سنت اور اجتناب بدعات و محدثات کا حال بیان کیا، اور اپنے شیوخ حدیث کے سلسلے سے چند حدیثیں روایت کیں، جن میں خلافت راشدہ کے بعد فتنہ و فساد کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی تھی، اور بتلایا گیا تھا کہ نئے نئے اعتقاد

مسلمانوں کے سامنے لائے جائینگے اور ان کو کتاب و سُنّت کی راہ سے منحرف کرنے کی کوشش ہوگی۔

شیخ نے اپنے جن شیوخ سے روایتیں کیں، ان میں عبداللہ ابن نمیر الہمدانی بھی ہیں جو محمد بن عبداللہ ابن نمیر الہمدانی اُستاد امام بخاری کے والد ہیں نیز عبدالرزاق صنعانی ہیں جو حضرت امام احمد بن حنبل کے مشہور شیوخ میں سے ہیں۔

شیخ نے رسالہ میں اپنی پوری تقریر نقل کی ہے جو پورے چار صفحوں میں آئی ہے رسالہ کی جو نقل اس وقت پیش نظر ہے وہ فلسکیپ کاغذ کی تقطیع پر لکھا گیا ہے اور ہر صفحہ میں ۲۵ سطریں ہیں لیکن بخوف طوالت بقیہ تقریر کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں تقریر کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا۔

"اے امیر المومنین خدا تعالے نے ہم سے اپنے کلام کی نسبت صرف یہی اقرار چاہا ہے کہ وہ اللہ کا اُتارا ہوا کلام ہے جس کو روح الامین نے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتارا اور اس کی زبان عربی ہے جیسا کہ فرمایا، وانہ لتنزیل رب العٰلمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین۔ اُس نے کہیں بھی ہمسے اس کا اقرار نہیں کرایا ہے کہ تم قرآن کو مخلوق کہو۔ اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس چیز کو مسلمانوں کے آگے پیش کیا جب کبھی کوئی کافر مسلمان ہوتا تو آپ اُس سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار لیتے، اپنی رسالت پر گواہی دلاتے، اور ارکان اربعہ کی طرف دعوت دیتے لیکن یہ نہ کہتے کہ قرآن کو مخلوق تسلیم کرو۔ پھر تمام اصحاب رسول اللہ کا بھی یہی حال رہا، اور باوجودیکہ انمیں سے بعض ان بدعتوں اور فتنوں کے آغاز تک موجود تھے، اُنھوں نے کبھی بھی اُس حد سے باہر قدم نہیں نکالا جو قرآن وسنت نے قرار دیدی ہے۔ پس اسے امیر المؤمنین! تجھکو کیا ہوگیا ہے کہ اُمت مرحومہ کے لئے رحمت ہونے کی جگہ

عذاب بننا چاہتا ہے؟ اور جب تک کوئی مومن قرآن کے مخلوق ہونے کا قرار کرے تیری تلوار سے نجات نہیں پا سکتا؟ واللہ کہ یہ بدعتوں اور فتنوں کا وہی سیلاب ہے جس کے اُمنڈنے کی ہمکو خبر دی گئی تھی، اور جس سے اصحاب رسول اللہ نے ہمیشہ بیزاری کی تھی۔ گمراہوں اور بدعتیوں کا یہ تمام گروہ جو تیرے گرد جمع ہوگیا ہے اور تجکو صراطِ مستقیم سے بھٹکا رہا ہے، کیا تیری نظر میں ان کی دلیلوں کی اس سے زیادہ وقعت ہے جو رسول اللہ اور اُن کے اصحاب کو خدا نے دی ہے؟ اگر توحید اور عدل یہی ہے اور خدا کی تمام صفتوں سے انکار کئے بغیر کوئی مومن مومن نہیں ہو سکتا، تو کیا وہ سب کے سب مومن نہ تھے جو اگر مومن نہ تھے تو خود ہمارا ایمان بھی باقی نہیں رہتا"

اس کے بعد اُنھوں نے جہم بن صفوان کا ذکر کیا جس نے سب سے پہلے خلق قرآن اور نفی صفات کی بدعت ایجاد کی اور اپنے اساتذہ کے سلسلۂ روایت سے بیان کیا کہ بعض بقیہ صحابہ نے کس طرح اس قول پر اظہار خشم کیا اور اس کو ایک بہت بڑا فتنہ قرار دیکر مسلمانوں کو اجتناب و احتراز کی وصیت کی۔ پھر کہا:

"صرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض تھا جسنے مجھے یہانتک پہنچایا، اور الحمد للہ کہ اللہ تعالےٰ نے جو حق کا رفیق اور خدام حق کا ولی ہے مجھے تیری مجلس میں پہنچنے اور فرض حق ادا کرنے کی توفیق دیدی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اگر حق ہے تو اسکی تصدیق کر، اور ان مفسدوں کا ساتھ چھوڑ دے جو توحید کے نام سے شرک و ضلالت پھیلا رہے ہیں۔ اگر حق نہیں ہے تو اس کے بطلان پر کتاب و سنت سے دلیل لا، اور مجھکو جھٹلا، تاکہ میں اُس چیز کے حق ہونے کی راہ پا سکوں جس کو سلف میں سے کسی نے بھی نہ جانا۔ یہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی سنت اور انکا طریق ہے کہ اُنھوں نے حجت پیش کی اور منکرین سے حجت طلب کی لیکن اے امیر المومنین

ایک سُنّت ان لوگوں کی بھی ہے جنھوں نے راہ حجت و برہان میں اپنے کو ناکام پاکر جور و قہر کے دامن میں پناہ لی تھی، اور کہا تھا کہ:- حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فعلین۔ ابراہیم کو آگ میں جلا دو، اور اس طرح اپنی معبودوں کی حمایت کرجن کے معبود ہونے پر کوئی حُجت و دلیل نہیں لا سکتے۔ ان لوگوں کے پاس اپنے اعتقاد کی نصرت کے لئے حُجت و دلیل نہ تھی، اس لئے وہ حضرت ابراہیم پر جور و قہر اور ظلم و ستم کر کے اپنے اعتقاد کو منصور و فتح مند کرنا چاہتے تھے پس اگر دلیل و حُجت کی وسنت کی جگہ قہر و ظلم کی سنت پر تو عمل کریگا، تو یاد رکھ کہ یہ ملت ابراہیمی کی سنت نہ ہوگی، بلکہ ملتِ نمرودی کا اتباع ہوگا۔ بااین ہمہ پیروانِ ابراہیم علیہ السلام اس کے لئے بھی تیار ہیں، اور تو دیکھ رہا ہے کہ اگر میں اسکے لئے تیار نہ ہوتا تو اس مجلس تک نہ پہنچتا۔"

یاد ہوگا کہ جب عبدالعزیز دربار میں پہنچا تھا تو ایک طرف سے آواز آئی تھی۔ "اس شخص کے لئے تو صرف یہی کہدینا کافی ہے کہ قبح اللہ وجہلہ" خدا کی قسم میں نے کسی شخص کو اس سے زیادہ بدشکل نہیں دیکھا"۔ شیخ نے یہ جملہ سنا تھا، مگر اُس وقت خاموشی اختیار کرلی تھی۔ اب وہ اس طرف متوجہ ہوئے:۔

"اور اے امیرالمومنین! تو نے کہا ہے کہ میری خواہش مناظرہ کے پورا کرنے کے لئے آج کی مجلس منعقد ہوئی ہے، لیکن میں نے دربار میں آتے ہی سب سے پہلی آواز جو سُنی، اسی سے معلوم ہوگیا کہ اس مجلس کے مناظرہ کرنے والوں کے علم و حُجت کا کیا حال ہے؟ اور کن دلیلوں سے وہ حق کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں؟ پھر کیا وہی لوگ مجھ سے مناظرہ کریں گے جن کے پاس سب سے بڑی دلیل بطلان حق کیلئے یہ ہے کہ مجھ کو خالق کائنات نے رنگ اور چہرہ اچھا نہ دیا؟ اور میں ان کی نگاہوں میں جمیل و حسین نہیں؟ اے امیرالمومنین! میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ یہ مقام

نقش ونگار جو تیرے ایوان دربار کی دیواروں پر بنے ہوئے ہیں اگر خوشنما نہ ہوتے تو تو ان کو ملامت کرتا یا ان کے صناع اور صناع کے قلم کو؟ اگر تیری ملامت صناع تک پہنچتی تو کیا میرے جسم وچہرہ پر اعتراض کرکے اُنھوں صناع کائنات پر ملامت نہیں کی اور اس کی صناعت کو ذلیل نہیں ٹھہرایا؟ کیا یہی توحید ہے جسکے یہ لوگ مدعی ہیں، اور جو کامل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اللہ کے کلام منزل کو مخلوق نہ کہا جائے؟ حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالے نے جمال جسم اور حسن خلقت عطا فرمایا، لیکن پادشاہِ مصر نے جب اِن کو قیدخانہ سے نکال کر ملک وسلطنت عطا کی تو اُنہوں نے کہا:- "اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم" اے پادشاہ اپنی سلطنت میرے سپرد کردے میں حفاظت کرنیوالا اور صاحب علم ہوں- یہ نہیں کہا کہ "نی حسن جمیل" مجھے سلطنت دیدے کیونکہ میں حسین اور خوبصورت ہوں

مامون کی محویت

"میں جبتک تقریر کرتا رہا مامون اس طرح ٹکٹکی لگائے میری جانب نگراں تھا، گویا پتھر ہے، جس میں نہ تو ارادہ ہے نہ روح- اثنار تقریر میں کئی بار میں نے دیکھا کہ اُس کی آنکھیں تر ہو گئیں تھیں، اور قریب تھا کہ اُن سے آنسو بہ نکلے یہ حال دیکھکر تمام اہل دربار متحیر تھے، اور جبکہ وہ مامون سے حکم قتل کے منتظر تھے تو اُنھوں نے دیکھا کہ شدت تاثر ومحویت سے وہ خود ہی بے حال ہو رہا ہے ان میں سے ہر شخص حیرت ودہشت سے ہلاک ہوگیا کہ جو مامون مسئلہ خلق قرآن کے مخالفین کے لئے قتل وسذیب کے سوا اور کچھ نہیں رکھتا تھا وہ کس طرح صامت وساکن بیٹھا ہے، اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں سُن رہا ہے؟ حالانکہ وہ اللہ کی نصرت حق

سے بے بیخبر تھے۔ اور نہیں جانتے تھے کہ سب کچھ اُسی کے اختیار میں ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

مامون کی تقریر

شیخ صاحب جب تقریر ختم کر چکے تو مامون الرشید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر کہا۔ "اے عبدالعزیز! اللہ تجھ پر رحم کرے۔ تو نے جو کچھ کہا میں نے سُنا، اور جن جن چیزوں کو تو نے میری طرف نسبت دی، اُن کے لئے میں نے اپنے نفس کا حساب کیا۔ الحمدللہ کہ میں ان سے بری ہوں۔ میں بندگان خدا پر ظلم کرنا نہیں چاہتا، بلکہ ان کو حق اور توحید کی طرف بلاتا ہوں جس کو دلیل و برہان اور کتاب اللہ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے۔ بایں ہمہ یقین کر کہ میرا حلم میرے غضب پر غالب آئیگا، اور خدا کی قسم، میں تیری سختی اور درشتی کی وجہ سے اپنا انتقام تجھ سے نہ لونگا، بلکہ تیری دلیلوں کو سنونگا اور تیرے براہین کو وزن کرونگا۔ مجھپر ظاہر ہو گیا کہ تو حق کی غیرت رکھتا ہے اور اس کے لئے بے باک ہے۔ تو نے اپنے گھر کو دنیا کے لئے نہیں چھوڑا۔ بلکہ اُس چیز کے لئے چھوڑا جس کو تو حق یقین کرتا ہے پس تیری حمیت حق اس کی مستحق ہے کہ تیری عزت کی جائے اور تیری کوئی سختی مجکو اس اعتراف سے نہیں روک سکتی۔ میرا تیرا معاملہ اب صرف حق و باطل کا ہے۔ اگر تیرے پاس حجت ابراہیمی ہے تو پیش کر جس کی پیروی کے لئے تو یہاں تک آیا ہے، اور جب تک تو قرآن کی اس شہادت اور عقل صریح کی اُس دلیل کو نہ جھٹلا دے جو قرآن کو مخلوق ثابت کرتی ہے اس وقت تک تجھے حق نہیں ہے کہ اپنے آپ کو حجت ابراہیمی کا پیرو ثابت کرے۔ حجت ابراہیمی یہ تھی کہ جب منکر خدا نے اُس سے جھگڑا کیا تو حضرت ابراہیم نے کہا "اللہ سورج

کو مشرق سے نکالتا ہے، اگر تجھ کو اس سے انکار ہے تو تو مغرب سے نکال دیکھ،،
یہ حجت ایسی تھی جس کو عقل نے پہچانا اور مشاہدہ وحس نے اسپر گواہی دی، پس
تو بھی حجت لا، اور صاحبان علم وحجج سے مناظرہ کر،،

مامون کے آخری الفاظ یہ تھے

وقد جمعت المخالفين لك لتناظرهم بين يدی، و اكون انا الحاكم بينكم، فان تبين الحجة لك عليهم والحق معك اتبعناك، وان تكن الحجة لهم عليك عاقبناك	اور میں نے تیرے مخالفین کو جمع کیا تاکہ تو ان سے میرے سامنے مناظرہ کرے، اور میں بمنزلہ ایک حاکم کے تم دونوں فریق کے لئے ہوں (یعنی خود کوئی فریق نہ بنوں) پس مناظرہ کر۔ اگر تیری حجت تیرے مخالفین پر واضح ہو گئی اور حق تیرے ساتھ ثابت ہوا تو ہم تیری پیروی کریں گے، اور اگر تو حجت لا نکا اور حق نے تیرے مخالفین کا ساتھ دیا، تو پھر تیرے لئے اس کی سزا ہے،،

آغاز مناظرہ

شیخ نے مناظرہ کے لئے پوری آمادگی ظاہر کی، اور مامون نے بشر مریسی رئیس معتزلہ عہد کو حکم دیا کہ مناظرہ شروع کرو۔

بشر اپنی جگہ سے اٹھکر مامون کی نشست کے قریب آیا، اس کی تمام جماعت اس کے ساتھ تھی۔ مامون نے خود ہی فیصلہ کر دیا تھا کہ دلیل بشر پیش کریگا اور شیخ جواب دیگا۔ خارج از موضوع کوئی بات نہیں کیجائیگی۔ دلائل کا تمام دار و مدار صرف قرآن کی اندرونی شہادت پر ہوگا، اور ہر فریق پورے ضبط وسکون اور کشادہ دلی کے ساتھ مخالف کی تقریر سنیگا۔ مامون نے دونوں فریق کو مخاطب کر کے اس بارہ میں جو تقریر کی، وہ نہایت وسیع ہے، اور گویا آداب مناظرہ

پر ایک بہترین درس ہے۔ جسقدر حصّہ شیخ نے اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے، ہم کسی دوسری صحبت میں اسکا ترجمہ کرینگے۔

اب مناظرہ شروع ہوا۔ بشر یکے بعد دیگرے قرآن کریم کی آیت پیش کرتا، اور شیخ اس کا جواب دیتے۔ پھر رد و جواب الجواب کا سلسلہ جاری ہوتا شیخ نے حرف بحرف تمام مناظرہ نقل کیاہے اور پوری شرح و بسط اور انصاف و عدالت کے ساتھ مخالف کی تمام دلیلوں اور تقریروں کو بھی قلمبند کیاہے۔

افسوس کہ ہم اس مناظرہ کو نقل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ بہت طول طویل ہے اور رسالہ کے اوراق کا بڑا حصّہ اسی پر مشتمل ہے۔ نیز زیادہ تر خالص علمی دلائل و مباحث سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کے مطالعہ میں عام قارئین رسالہ کے لئے کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ عموماً جو دلائل کتب کلام و عقائد و اختلاف میں مسئلۂ قدم و خلق قرآن کے متعلق نظر آتے ہیں، وہی فریقین کی طرف سے پیش ہوئے، اور ہماری موجودہ صحبت کا موضوع مسئلۂ خلق قرآن نہیں بلکہ علمائے سلف کے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ایک نظارہ دکھاناہے۔

بشر مریسی کی طرف سے جسقدر آیتیں قرآن حکیم کی پیش کیجاتی تھیں اُس کے جواب میں خود قرآن ہی سے عبد العزیز استشہاد لاتے اور ثابت کر دیتے کہ ان آیات کو خلق قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی سلسلہ میں حروف و اصوات کی بحث نکل آئی۔ جہم بن صفوان نے اگرچہ نفی صفات کی بنا پر خلق قرآن کا دعوےٰ کیا تھا۔ لیکن بشر مریسی کا اعتقاد اشاعرہ کے اعتقاد سے اقرب تھا، وہ زیادہ تر حروف و اصوات عربیہ کے حدوث و خلق پر زور دیتا، اور "کلام اللہ" اور "قرآن عربی" میں تفریق کر کے اس قرآن کے خلق و حدوث کو قطعی قرار دیتا، جو عربی زبان میں ہم پڑھتے اور لکھتے ہیں۔ لیکن شیخ عبد العزیز نے ثابت

کیا کہ جو قرآن اُتارا گیا وہ عربی ہی میں تھا جیسا کہ جابجا فرمایا:۔ انا انزلناہ قرآناً عربیاً۔ یا کہا۔ بلسان عربی مبین۔ پس وہ چیز جو عربی زبان میں اُتری تھی اگر عربی تھی تو قطعاً عربی کے حروف و اصوات ہی میں تھی، ان سے مجرد نہیں ہو سکتی، اور وہی کلام اللہ ہے۔ پس کلام اللہ عربی میں اُترا، اسی کو رسول نے تلاوت کیا، اور وہی ہماری زبانوں سے بھی نکلتا ہے۔ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

فتح و شکست کا آخری میدان

سلسلۂ بحث بڑھتا جاتا تھا، اور مامون کا یہ حال تھا کہ کبھی شیخ کے حسن جواب کی داد دیتا، اور کبھی بشر کے استدلال و استشہاد سے خوش ہوتا کہ یکایک بشر نے کہا:۔

"میں اپنے اور تمام دلائل و براہین کو خود ہی چھوڑ دیتا ہوں اکیونکہ اسطرح ردوکد میں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اب صرف ایک سوال کرتا ہوں اسکا جواب دو۔ تمام بحث کا ابھی خاتمہ ہو جائیگا اور حق کے اعتراف کے بغیر تم کوئی راہ نجات اپنے سامنے نہ پاؤ گے"۔

یہ کہکر اس نے سوال کیا:۔

"قرآن نے صدہا مقام پر اللہ کو خالق کل شئ کہا ہے یا نہیں۔ یعنی خدا ہر چیز کا خالق ہے؟"

شیخ نے کہا۔ "ہاں وہی ہر شے کا خالق ہے"۔

بشر نے کہا۔ "قرآن بھی "شے" ہے یا نہیں؟"

شیخ نے کہا۔ پہلے "شے" کی حقیقت سُن لو پھر جواب مانگو"

بشر زیادہ تیز ہو کر بولا "میں اور کچھ سُننا نہیں چاہتا میرے سوال کا جواب دو۔

قرآن بھی "اشیاء" میں داخل ہے یا نہیں؟"

شیخ نے پھر کہا "تمہارا طرز سوال ہی غلط ہے اس میں دھوکا ہے۔ تم کو چاہئے کہ صبر و ضبط کے ساتھ پہلے میری تقریر سن لو"

بشر نے کہا "تقریریں بہت ہو چکیں، امیر المومنین کو نتیجۂ مناظرہ کا انتظار ہے اب اور کسی تقریر کی ضرورت نہیں۔ تم میرے سوال کا جواب دو"

شیخ نے پھر جواب سے اعراض کیا۔ اسپر بشر نے مامون سے کہا:۔

"یا امیر المومنین! حاکم کا فرض عدل و انصاف ہے۔ آپ حاکم ہیں۔ اگر عبدالعزیز حجت رکھتا ہے تو سوال کا جواب کیوں نہیں دیتا؟"

یہ حالت دیکھکر محمد بن جہم معتزلی نے پکارا "ظهر امر الله وهم كارهون"
بشر کے گروہ میں سے ایک اور شخص اُٹھکر کھڑا ہو گیا اور چیخکر کہا "یا امیر المومنین جاء الحق وزهق الباطل۔ ان الباطل كان زهوقا"

شیخ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ خود بشر بھی اپنا جوش و تعصب نہ روک سکا اور بار بار کہنے لگا "ولكن فقد حمار الشيخ على القنطرة" یعنی بالآخر شیخ کا گدھا پل دیکھکر بیٹھ گیا، اور آگے نہ بڑھ سکا!

شیخ کا اعراض دیکھکر مجلس کو یقین ہو گیا کہ شیخ کے پاس اس دلیل کا کوئی جواب نہیں اور اس لئے تلوار رکھدی۔ اگر وہ تسلیم کرتا ہے کہ قرآن بھی شے ہے۔ اور اشیاء میں داخل ہے، تو لازمی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ اللہ ہر شے کا خالق ہے اور ہر شے مخلوق ہے۔ پس قرآن بھی مخلوق ہے۔ اگر نہیں مانتا تو عقل و بداہت سے انکار کرتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن بھی اشیاء میں داخل ہے۔ یہ کسی طرح نہیں کہہ سکتے کہ وہ شے نہیں۔ اگر شے نہیں تو کیا ہے؟

خود مامون الرشید کا بھی یہی خیال تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ شیخ عبدالعزیز

بالکل بے بس ہو گیا ہے، اسی لئے جواب سے بچنا چاہتا ہے۔ اس نے پہلی دفعہ غضبناک ہو کر شیخ سے کہا:۔ "یا عبدالعزیز! تجھے کیا ہو گیا ہے، کیوں سوال کا جواب نہیں دیتا"۔

اعلانِ حق

شیخ لکھتے ہیں، کہ: "فی الحقیقت اس وقت میں کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا، اور صاف نظر آتا تھا کہ قرآن کے "شے" ماننے کے ساتھ ہی یہ سب لوگ شور مچائینگے کہ قرآن کا مخلوق ہونا ثابت ہو گیا۔ لیکن مامون کے غضبناک ہوتے ہی اللہ نے میری مدد کی، اور یکایک راہ کامیابی دکھلادی"۔

شیخ نے کہا: "مجکو جواب دینے سے انکار نہیں۔ لیکن جس طریق سے سوال کیا گیا ہے، اس میں ایک سخت دھوکا اور فساد ہے اس لئے میں پہلے اُسے صاف کرنا چاہتا تھا۔ بااینہمہ اگر امیرالمومنین کو اس پر اصرار ہے تو اچھا، میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ قرآن بھی اشیاء میں داخل ہے"۔

یہ اقرار سنتے ہی بشر اُچھل پڑا، اور بشر اور مامون الرشید ایک ساتھ بول اُٹھے:۔

"اگر قرآن بھی اشیاء میں داخل ہے تو قرآن کہتا ہے کہ اللہ تمام اشیاء کا خالق ہے اور تمام اشیاء مخلوق ہیں، پس قرآن کو بھی تم نے مخلوق تسلیم کر لیا"۔

شیخ نے گرج کر کہا:۔

"ہرگز نہیں! اس سے یہ کبھی لازم نہیں آتا۔ قرآن کہتا ہے:۔ ویحذرکم اللہ نفسہ یعنی اللہ تم کو اپنے "نفس" سے ڈراتا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا بھی نفس ہے۔ اور پھر قرآن کہتا ہے کہ کل نفس ذائقۃ الموت ہر نفس کیلئے

ضرور ہے کہ وہ موت کا مزہ چکھے۔پس اگر اشیاء میں قرآن داخل ہو کر مخلوق ہو گیا تو کیا خدا بھی "کل نفس" میں داخل ہو کر اور نفس ہو کر موت کا مزہ چکھیگا؟"

شیخ عبدالعزیز کا یہ کہنا تھا کہ تمام مجلس پر سناٹا چھا گیا۔اور ایسا معلوم ہوا گویا یہ الفاظ نہیں تھے ایک بجلی تھی جو یکایک کوندگئی۔اور تمام نگاہوں کو خیرہ اور دلوں کو دہلاگئی۔خود بشر مریسی مبہوت ہو کر دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا! فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون۔

یا تو مامون الرشید غضبناک ہو کر شیخ سے جواب طلب کر رہا تھا اور اسے خلق قرآن کے اعتراف پر مجبور سمجھتا تھا، یا بے اختیار ہو کر عبدالعزیز کے جواب پر وجد کرنے لگا، اور پکار پکار کر کہنے لگا "معاذ اللہ! معاذ اللہ! خدا کی ذات موت سے بری ہے!"

خاتمہ

بشر مریسی نے اپنے آخری سوال کو مناظرہ کا خاتمہ قرار دیا تھا۔شیخ نے بھی اس کا جواب ایسا ہی دیا۔وہ مناظرہ کا خاتمہ اور حجت کا اعلان آخری تھا!

مامون الرشید نے حکم دیا کہ مناظرہ ختم کیا جائے۔اور عبدالعزیز سے مخاطب ہو کے کہا:۔

"اگرچہ اس مسئلہ کا فیصلہ ہماری آج کی صحبت میں نہ ہو سکا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تو نے اپنے مخاطب کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا، اور اس کی کسی دلیل کے آگے میں نے تجھے عاجز نہ پایا۔تیری فضیلت علمی پر تیرے جوابات گواہ تھے تیری جرأت و ثابت قدمی تیری فضیلت کا اصلی جوہر ہے۔تو نے جس بے خوفی و بے جگری سے میرے حضور زبان کھولی اور جس طرح میرے جلال و غضب اور موت و ہلاکت کے خوف سے بے پرواہو کر تقریر کی

واللہ کہ میں اس کی قدر کرونگا، اور تیری درشتی و تلخ گوئی کو اپنی قدر دانیوں اور حلم سے تھکا دونگا۔ میری طرف سے تیرے لئے امن اور اعزاز و اکرام کا فرمان ہے اور تیرا جوہر استعداد اس کا مستحق ہے کہ میری مجلس علم کا ندیم ہو۔ تو اب مدینۃ السلام میں قیام کر اور ہر بدھ کے دن میری صحبت علمی میں شریک ہو۔"

شیخ لکھتے ہیں:۔"اسکے بعد مامون الرشید نے حکم دیا کہ دس ہزار درہم میرے قیام گاہ پر بھیجدیا جائے۔ نیز قیام کے لئے ایک سجا سجایا محل سرکاری بھی مرحمت ہو۔ پھر تلوار کے نیام پر ہاتھ رکھا۔ جو مجلس کی برخاستگی کا اشارہ تھا۔ تمام اہل دربار اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں جب رخصت ہونے لگا تو مامون مسکرایا اور کہا۔" آج تو نے اپنے بڑے ہی طاقتور حریف پر فتح پائی۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

"میں جب دربار سے نکلا تو تمام لوگوں کو راستوں، دکانوں اور کوٹھوں پر چشم براہ پایا۔ لوگ منتظر تھے کہ میری اس جرارت کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ جب اُنھوں نے دیکھا کہ میں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس جارہا ہوں اور مجلس مناظرہ میں کامیاب رہا ہوں تو ان کی حیرت اور خوشی کی کوئی حد نہ رہی لوگ ہر طرف سے مبارکباد دینے اور ارباب حق کی فتح پر خوشیاں منانے کے لئے ہجوم کرتے، اور مجھ سے مصافحہ کرنے کے واسطے اپنی جانوں کو تہلکہ میں ڈالتے حتیٰ کہ جوش خلائق اور شدت ہجوم سے میں عاجز آگیا اور گھر تک پہنچنا دشوار ہوگیا۔"

اس کے بعد جب تمام علماء شہر و امصار کو واقعات مناظرہ کی خبر ملی تو اس غیر متوقع تائید غیبی پر سجدۂ شکر بجالائے اور اس ایک نمونہ سنے ہزاروں

زبانوں کو یکایک کھولدیا۔ جو خوف جان و مال سے اظہار حق نہیں کر سکتی تھیں، پہلے مامون کے غضب وصولت کو دیکھکر کسی کو جرأت نہیں پڑتی تھی۔ لیکن اب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اگر جرأت و ثابت قدمی کے ساتھ حق کا اعلان کیا جائے، تو اللہ کی نصرت کبھی ساتھ نہیں چھوڑتی اور ہر شخص کامیابی حاصل کر سکتا ہے"

"صبح سے لیکر شام تک میرا مکان لوگوں سے بھرا رہتا اور مجلس مناظرہ کے حالات پوچھتے۔ میں روایت کرتے کرتے تھک گیا۔ یہانتک کہ خبر دور دور پھیل گئی اور حجاز و شام تک سے لوگ دریافت کرنے کے لئے آنے لگے۔ تب عاجز آکر میں نے چاہا کہ اس مناظرہ کے واقعات قلمبند کردوں تاکہ ہر شخص اس کو پڑھکر حق کی فتح اور باطل کے خذلان کی سرگذشت معلوم کرلے"

استدراک

(۱) شیخ نے اپنی تقریر کے ابتدائی حصہ میں کہا ہے:۔

"خدا نے مسلمانوں سے خلق قرآن کا اقرار نہیں کرایا۔ لیکن ایک انسان کراتا ہے (یعنی مامون) جو ہارون کے گھر میں پیدا ہوا۔ اور ہارون ہادی کا بیٹا تھا"

شیخ کے رسالہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید ہادی کا بیٹا نہیں ہے۔ بلکہ ہارون اور ہادی دونوں محمد بن منصور ملقب بہ مہدی کے بیٹے ہیں۔ مہدی کے بعد تیرہ ماہ تک ہادی تخت نشین رہا۔ اسکے بعد ہارون الرشید خلیفہ ہوا۔ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے۔

(۲) تقریر میں اُنھوں نے کہا: "تم سے پہلے آئمۂ جور نے جو کچھ کیا، اللہ نے

اس کیلئے تم کو کھڑا کردیا" یہ اشارہ بنو امیہ کی طرف تھا جن کو ہلاک کرکے آل عباس نے اپنی حکومت قائم کی۔

(۳) اس سرگذشت کو ہم نے نہایت تفصیل سے لکھا تاکہ ہمارے موجودہ عہد کے علماء ، سلف کے ان واقعات کو پڑھیں اور عبرت پکڑیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دعوت و تبلیغ حق ہی وہ اصلی و حقیقی فرض ہے جو اسلام نے علماء کے سپرد کیا۔ اگر اس فرض سے ان کا علم و عمل خالی ہے تو ان کو یقین کرنا چاہئے کہ انھوں نے اپنی ہستی مٹا دی اور راستے کے پتھر اور جنگل کی گھاس ان سے زیادہ قیمتی ہے*

جدید تصانیف مولانا ابو الکلام صاحب آزاد

مجموعہ مضامین مولانا ابو الکلام صاحب آزاد

ہندوستان کی آزادی ۔مسلمانوں کے فرائض۔ اعلانِ حق وغیرہ پر بے مثل مضامین کا مجموعہ جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ حصہ اوّل ۱۰/۔ حصہ دوم ۱۲/ حصہ سوم ۱۲/ حصہ چہارم ۱۲/۔ حصہ پنجم ۱۲/۔ حصہ ششم ۱۲/۔

جہاد اور اسلام

جہاد اور اسلام مسئلہ جہاد۔ قربانی۔ حقیقت اسلام۔ اسوۂ ابراہیمی پر مفصل بحث ۶/

صدائے حق

الامر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تشریح۔ احکام خداوندی کی تفصیل۔ ۸/

دعوتِ حق

تاریخ اسلام سے اعلانِ حق کی مثال۔ دربار مامون الرشید کا واقعہ۔ تاریخ عہد عباسیہ کا ایک صفحہ ۶/

مکمل بیان مولانا ابو الکلام صاحب آزاد	۴/	خطبہ صدارت تقریری جلسہ لاہور	۶/
حزب اللہ	۱۲/	خطبۂ صدارت تحریری جلسہ لاہور	۶/
خطبات سیاسیہ	۸/	الحریت فی الاسلام	۱۲/
دعوتِ عمل	۸/	اتحاد اسلامی	۳/
ہندوستان پر حملہ	۳/	خطبۂ صدارت جلسہ آگرہ	۹/

مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ